نمل
نِمرہ احمد
”اور آپ سکھائے جاتے ہیں قُرآن بڑے حِکمت والے‘ بڑے عِلم والے کی جانب سے“
27:6
پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

نمرہ احمد

اور خدا نے انعام کیا
نوح علیہ السلام پر
اور ان کے بیٹوں پر
اور ان سے فرمایا
آباد ہو اور پھیلتے جاؤ
اور زمین کو بھر دو
تمہارا خوف اور تمہاری ہیبت
ہوگی زمین کے ہر درندے پر

آسمانوں کے ہر پرندے پر
مٹی پہ رینگنے والی ہر شے پر
اور سمندر کی تمام مچھلیوں پر
تمہارے ہاتھوں میں وہ پہنچائی جائیں گی
ہر زندہ متحرک شے تمہاری غذا ہوگی
اور جیسے میں نے تمہیں عطا کیے ہیں
سر سبز پودے
ویسے ہی میں تمہیں ہر شے عطا کروں گا

مگر...!
تم اس کو اس کی جان کے ساتھ نہیں کھاؤ گے
اور اس کی جان اس کا خون ہے
اور تمہاری جان کے خون کا
میں حساب لوں گا
ہر درندے اور ہر انسان سے

اور میں یقیناً "حساب لوں گا ہر انسان سے
اس کے ساتھی انسان کی
جان کا!
(کتاب فرینشن، عہد نامہ قدیم تورات)
نہ مدعی نہ شہادت حساب پاک ہوا
صحن تاریک تھا اور طویل برآمدہ نیم روشن۔ فجر کی دو اذانیں دی جا چکی تھیں اور آسمان گہرا جامنی تھا۔ برآمدے کے آگے کوٹھڑیاں در کوٹھڑیاں تھیں۔ جن کے دروازے سلاخ دار تھے اور جن کی میلی دیواروں پہ لکیریں، نشان، نام لکھے تھے۔ کچھ قیدی سو رہے تھے کچھ جاگ رہے تھے۔ یہاں زندگی دو انتہاؤں کے درمیان لٹکتی تھی۔

سیاہ دھاری، سفید دھاری سے مکمل الگ ہو چکی تو فجر کی تیسری اذان گونجنے لگی۔ ہواؤں نے موذن کی آواز کو اپنے پروں پہ اٹھایا اور صحن میں پھیلا دیا۔
"اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔"

ایسے میں برآمدے میں دو پہرے دار ٹہلتے ٹہلتے ایک ستون کے ساتھ آکھڑے ہوئے تھے۔ ایک نے بیڑی سلگائی اور دوسرے کو پیش کش کی، جسے دوسرے نے مسترد کر کے پھر سے اس حوالاتی قیدی کی کوٹھڑی کو دیکھا۔ جس کے سامنے وہ کھڑے تھے۔

پہلے سپاہی عبدالشکور نے بھی گردن موڑی، پھر استہزائیہ مسکا کر سر جھٹکا۔

"محمد دین! بار بار اس بدمزاج آدمی کو نہ دیکھا کر۔ اس کا دماغ پہلے ہی خراب رہتا ہے۔ تیری ہمدردی سے وہ اور شیر ہو جائے گا۔" لبوں سے دھواں چھوڑتے اس نے تنبیہہ کی۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی نہیں جس کی عبادت کرنی چاہیے۔" موذن کی صدا برابر آ رہی تھی۔

محمد دین تاسف سے اسی کوٹھڑی کو دیکھتا رہا۔ جس میں سفید لباس میں ملبوس قیدی نماز کا کپڑا بچھاتا نظر آ رہا تھا۔

"کیا یوں نماز پڑھنے سے اللہ معاف کر دیتا ہے؟" محمد دین نے مایوس آواز میں پوچھا۔

قیدی اب آستینیں کلائیوں تک برابر کر رہا تھا جو اس نے وضو کے لیے اوپر چڑھائی تھیں۔ اس کی پشت ان دونوں کی جانب تھی۔

"قتل کبھی معاف نہیں ہوتا اور جو اس کی طرح اپنی بیوی اور سگے بھائی کو قتل کر دے۔ وہ تو کبھی معاف نہیں ہوگا۔" بیڑی کا بڑا سانس اندر کھینچتے عبدالشکور نے فتویٰ دیا۔

"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

"میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔"

"مگر اس کی بیوی اور اس کے بھائی کے تعلقات تھے۔ اس نے غیرت میں قتل کیا تھا۔ یہی سننے میں آیا ہے۔ تب ہی تو چار سال سے جیل میں ہے۔"

محمد دین ستون سے ٹیک لگائے ترحم سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"نماز کی طرف آؤ نماز کی طرف آؤ۔"

قیدی اب کپڑے کے سرے پہ کھڑا تکبیرات پڑھتا رفع یدین کر رہا تھا۔ برآمدے کی مدھم روشنی میں اس کا نیم رخ واضح تھا۔ سفید شلوار، سفید کرتا، بالکل کفن جیسا۔ اب گردن جھکی تھی۔ ہاتھ سینے پہ تھے۔ قدرے لمبے بال دو انچ کی پونی میں بندھے تھے۔ اس کا عمومی تاثر صاف ستھرے، اونچے، مضبوط جسم اور خوب صورت نقوش والے مرد کا پڑتا تھا۔

"فلاح کی طرف آؤ فلاح کی طرف آؤ۔"

اذان ہواؤں میں ترنم گھولتی سنائی دے رہی تھی۔

"تو بیوی کو طلاق دے دیتا، بھائی سے تعلق توڑ لیتا، قتل کرنا ضروری تھا؟ اور لوگ نماز توبہ وغیرہ کے لیے نہیں پڑھتے، ان کو رہائی چاہیے ہوتی ہے۔" تلخی سے کہہ کر اس نے ایک اور کش کھینچا۔

"مگر ایک بات ماننے کی ہے۔ اس کے غصے کے علاوہ یہ بندہ برا نہیں تھا۔ تجھے پتا ہے۔ اس کا انٹیلی جنس میں اونچا عہدہ تھا۔ اچھا خوب صورت جوان تھا۔ مگر بیوی ایسی نکلی کہ۔۔۔ چچ چچ۔۔۔ زندگی برباد ہو گئی فارس غازی کی۔"

اندر فارس غازی اب رکوع میں جھک رہا تھا۔

"نماز نیند سے بہتر ہے۔ نماز نیند سے بہتر ہے۔"

فضا میں تیرتی آواز ملائمت سے ستونوں سے ٹکرا رہی تھی۔

"ہاں تو اپنا کیا سامنے آتا ہے۔ اب یہ بچے گا تھوڑی ہو نہہ۔۔۔" لاپروائی و استہزا سے سر جھٹک کر عبدالشکور جانے کو پلٹا۔ تب ہی محمد دین کسی سحر کے زیر اثر بولا۔

"مگر وہ کہہ رہا تھا، یہ رہا ہو جائے گا۔"

عبدالشکور نے حیرت سے رک کر اپنے ساتھی کو دیکھا۔

"یہ۔۔۔ فارس غازی، رہا ہو جائے گا؟ یہ کس نے کہا؟"

"وہی۔۔۔ وہ لمبا۔۔۔ خوب صورت۔۔۔ گھنگھریالے بالوں والا لڑکا جو اس سے ملنے ہر ہفتے آتا ہے۔" محمد دین کی نگاہیں ہنوز اس پہ مرکوز تھیں۔ فارس غازی اب سجدے میں سر رکھے ہوئے تھا۔

"وہ اس کا بھانجا؟ کیا نام ہے اس کا؟ اور اس کے کہنے سے کیا ہوتا ہے؟"

"اس کی بات ہمیشہ سچ ہو جاتی ہے۔ پہلے اس نے کہا تھا، جج بدل جائے گا اور اس کے کیس کا جج بدل گیا۔ پھر اس نے کہا۔ روزانہ کے حساب سے پیشی ہوگی۔ ایسا ہی ہوا۔ اس روز وہ کہہ گیا کہ اس ہفتے یہ رہا ہو جائے گا۔"

"نا تو اس کا بھانجا یہ سب تجھے کیوں بتا رہا ہے؟" عبدالشکور بیڑی لبوں سے ہٹائے مشکوک نظروں سے محمد دین کو دیکھ رہا تھا۔

"ابے مجھے کہاں۔۔۔ اسی کو بتا رہا تھا، میں نے یوں ہی سن لیا۔"

"اللہ سب سے بڑا ہے۔۔۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔"

اذان اب دھیمی پڑ رہی تھی۔

"چھوڑ یار۔۔۔ یہ نہیں رہا ہونے والا۔" اس نے تلخی سے کہہ کر بیڑی پھینکی اور پھر سلگتے، بجھتے انگارے کو دیکھنے لگا۔

"اللہ کے سوا کوئی ایسا نہیں جس کی عبادت کرنی چاہیے۔"

آواز دم توڑ گئی۔ فضا میں سکوت چھا گیا۔ پھر بلبل نے صدا لگائی، درختوں نے پتے جھکائے اور ساری مخلوق اپنی عبادت میں مشغول ہو گئی۔

قیدی سلام پھیر کر اٹھا۔ جائے نماز کا کونا موڑا، کف کلائی پہ موڑے اور چلتا ہوا سلاخوں تک آیا۔ اس کا چہرہ ٹیوب لائٹ کی روشنی میں واضح ہوا۔ اس کی آنکھیں سنہری تھیں انہیں سکیڑ کر تیکھی نظروں سے ان دونوں کو دیکھتے اس نے انگلی سے اپنی طرف آنے کا اشارہ کیا۔

محمد دین میکانکی انداز میں قریب آیا۔ عبدالشکور اتنا متاثر نہ تھا۔ مگر اس نے بھی پیروی کی۔

"اپنے کان صاف کر کے دھیان سے سنو۔" وہ تیز نگاہوں سے دونوں کو باری باری دیکھتے ہوئے بولا۔

"پہلی بات وہ میرا سگا نہیں، سوتیلا بھائی تھا۔ دوسری بات میرے بھانجے کا نام سعدی یوسف ہے اور آخری بات، اگر آئندہ تم مجھے میری ملاقات کے اوقات میں اپنے قریب بھٹکتے نظر آئے تو اگلے دن یہاں پہرہ وہیل چیئر پہ دو گے۔ سمجھ میں آیا؟"

"تجھے تو میں ابھی۔۔۔" عبدالشکور غصے سے آگے بڑھا۔ مگر محمد دین نے اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر پیچھے دھکیلتے "چھوڑو، جانے دو" کہہ کر اسے روکا اور واپس لے گیا۔

"کیا۔۔۔ ہاں؟ ابھی کیا؟" سلاخیں تھامے فارس نے بھینچے جبڑے اور غصیلی آنکھوں سے پکارا۔ مگر محمد دین بمشکل سمجھا بجھا کر اسے دور کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

فارس نے سر جھٹکا اور واپس ہو لیا۔ صبح کی سفیدی آہستہ آہستہ پھیل رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

میں زخم زخم ہوں پھر بھی دکھائی نہ دوں

ٹھیک اسی وقت اسلام آباد کے دوسرے حصوں پر بھی فجر ایسے ہی طلوع ہو رہی تھی۔ اس اپر مڈل کلاس کالونی میں ایک گھر کی کھڑکیاں نیلے اندھیرے میں روشن تھیں۔

چھوٹے سے لان کے سامنے لاؤنج کی کھڑکی نظر آتی، مگر گھر کی بغلی گلی سے اندر جاؤ تو پہلے کچن کا بند دروازہ آتا اور پھر ایک بیڈ روم کی کھڑکی جس سے چہرہ لگا کر دیکھو تو اندر لیمپ جل رہا تھا اور کارپٹ پہ ایک لڑکی نماز پڑھ کر سلام پھیر رہی تھی۔

بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کے جلتے لیمپ کے ساتھ موبائل، پانی اور چند دوائیاں رکھی تھیں۔ ایسی دوائیاں جو گردے کا وہ مریض استعمال کرتا ہے جس کو ڈونر گردہ (کسی دوسرے کا) لگا ہو۔

وہ نماز ختم کر کے، بنا دعا مانگے اٹھی، جاء نماز اسی میز

کے خانے میں رکھ دی۔ دوپٹا اتار کر بال آزاد کیے۔ پھر پلٹ کر اسٹڈی ٹیبل تک آئی تو اس کا چہرہ سامنے آیا۔

وہ صاف مگر قدرے زرد رنگت کی دراز قد، دبلی پتلی سی تھی۔ نقوش متناسب، آنکھیں بادامی رنگ کی، گہری بھوری پلکیں، مڑی ہوئی اور ناک میں ہیرے کی ننھی سی لونگ، بالکل مونگ کے دانے جتنی۔ وہ بہت خوب صورت نہیں تھی۔ مگر اس کے بال خوب صورت تھے۔ گہرے بھورے، سر سے کان تک سیدھے اور پھر موٹے موٹے Curls کی صورت گھنگریالے ہو جاتے۔ وہ اسٹیپ میں تھے۔ سامنے سے ٹھوڑی تک، پھر کندھوں تک اور پیچھے کمر تک آتے۔

اس نے الماری کھول کر ایک فائل نکالی اور بے دھیانی میں ایک ڈبے کو لڑھکا دیا۔ جس سے اخبار کے چند تراشے پھسل کر باہر گرے، مگر چونکہ اس نے دیکھا نہیں تھا۔ سو اسٹڈی ٹیبل پہ آبیٹھی اور فائل کھول لی۔

اخبار کے تراشے اس کے قدموں میں گرے رہے۔ کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔ وہ ٹھیک سے پڑھے نہ جاتے تھے۔ مگر پھر کھڑکی کے باہر صبح پھیلتی گئی اور روشنی اندر بھرتی گئی اور ان کی تحریر واضح ہو گئی۔

ان تراشوں کی سرخیاں کہہ رہی تھیں۔

"اسسٹنٹ ڈائریکٹر نیب وارث غازی پراسرار طور کمرے میں مردہ پائے گئے۔ پولیس نے موت کو خود کشی، عزیز و اقارب نے قتل قرار دے دیا۔ کمرے سے لیپ ٹاپ اور اہم ڈاکومنٹس بھی غائب۔"

"اسلام آباد کے پوش علاقے میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے ایک خاتون جاں بحق، ایک زخمی، جاں بحق خاتون کچھ روز قبل مبینہ طور پر خود کشی کرنے والے نیب ڈائریکٹر کے بھائی کی اہلیہ تھیں۔"

"زخمی خاتون کے دونوں گردے فائرنگ کے نتیجے میں ضائع ہو چکے ہیں، نیز ان کا تعلق..."

"نیب ڈائریکٹر کے قتل کا معمہ حل، پولیس نے سوتیلے بھائی فارس غازی کو گرفتار کر لیا۔ پولیس کے مطابق اپنی بیوی اور رشتے دار خاتون پہ فائرنگ کے پیچھے بھی اسی کا ہاتھ..."

دو ہاتھوں نے تیزی سے وہ کاغذ سمیٹے اور ان کو ڈبے میں ڈالتے ہوئے الماری بند کی۔ پھر سیدھی ہو کر کھڑی ہوئی۔

وہ تیار ہو چکی تھی اور اب گیلے گھنگریالے بال برش کر رہی تھی۔ فجر بیتے کافی دیر ہو چکی تھی اور باہر ہر طرف سنہری روشنی تھی۔

☼ ☼ ☼

اس کی کھڑکی کے باہر تلی گلی میں واپس چلتے جاؤ تو اب کچن کا دروازہ کھلا تھا اور جالی سے باتیں کرنے کی آوازیں اور ناشتے کی خوشبو آرہی تھی۔ ملازم لڑکا کھڑا چائے دم پہ رکھ رہا تھا۔ ساتھ ایک ہٹی کٹی اس کے طبقے کی عورت کھڑی تھی۔

"وے صداقت! ماں کا سارا پیغام سمجھ میں آگیا نا؟ اب میں تسلی سے گرائیں چلی جاؤں؟" وہ جیسے کوئی لمبی چوڑی بات سمیٹ رہی تھی۔ لڑکے نے "ہاں نا چاچی!" کہتے تشفی کروائی۔ چاچی نے جیسے فراغت سے ادھر ادھر دیکھا۔

"یہ تو اپنی باجی کا ناشتا بنا رہا ہے؟" اس نے مالکن کی بابت استفسار کیا۔

"ہاں... اور صاحب کا بھی... باجی کے ابو... وہ لوگ ہی تو ہیں گھر میں۔"

"نا تو تیری باجی کی شادی وادی نہیں ہوئی؟"

"صاحب نے بوووہت پہلے۔" انڈا توڑتے ہوئے "بہت" کو بہت کھینچا۔

"باجی کی منگنی کی تھی، شادی بھی ہونے والی تھی، مگر پھر بازار میں فائرنگ ہوئی اور باجی کو بھی گولی لگ گئی۔ بس دونوں گردے ضائع ہو گئے۔ کسی انگریز عورت نے گردہ تو دے دیا اور لگ بھی گیا، پر منگنی ٹوٹ گئی۔ پھر باجی نے شادی نہیں کی۔"

"چچ چچ... بے چاری... ستائیس اٹھائیس کی تو ہو گی؟"

"ارے... تینتیس چونتیس سے کم کی نہیں ہیں باجی، لگتی چھوٹی ہیں۔" صداقت نے فخر سے کہتے ہوئے انڈا تیل پہ ڈالا۔ شڑ شڑ کی آواز آئی اور تیل میں بلبلے بننے لگے۔

"تجھے کیسے پتا اس کی عمر؟" چاچی نے مشکوک نظروں سے لڑکے کو دیکھا۔

"عمر کا نہیں، سالگرہ کا پتا چل جاتا ہے۔ وہ ہر سالگرہ پہ سعدی بھائی کارڈ اور پھول جو لے آتا ہے۔"

"سعدی بھائی کون؟"

"لے... تجھے سعدی بھائی کا نہیں پتا؟" صداقت نے انڈا پلٹتے ملامتی نظروں سے چاچی کو دیکھا۔ "باجی کا بھتیجا ہے۔ بڑے صاحب کا پوتا۔"

"دیکھ... ایسے ہوتے ہیں بھتیجے اور تو گرائیں آتا ہے تو مجال نہیں کہ چاچے، چاچی کو شکل بھی دکھا دے۔" ساتھ ہی لڑکے کی پشت پہ دھموکا جڑا۔ وہ بلبلا کر رہ گیا۔ "اسی لیے تو باجی اپنے بھتیجے سے بڑا پیار کرتی ہو گی۔"

"کہاں؟" برا سا منہ بنائے صداقت نے اسی انداز میں کہا۔ "وہ تو سعدی بھائی سے بات بھی نہیں کرتی، ملتی بھی نہیں ہے، وہ تب ہی گھر آتا ہے جب وہ نہیں ہوتی۔ وہ اس سے ناراض ہے۔"

"اے ہے کیوں؟"

"پرانی ناراضی ہے، باجی کو جو گولی لگی تھی، وہ سعدی بھائی کے ماموں نے ماری تھی۔ بس تب سے ان کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔" وہ سر جھکائے کام کرتے ہوئے تبصرہ کیے جا رہا تھا۔ چاچی نے پرسوچ ہنکارا بھرا۔

"تو اسی لیے باجی کے بھائی کا خاندان ان کے ساتھ نہیں رہتا۔"

"وہ نہیں چاچی! وہ تو ہمیشہ سے الگ رہتے تھے۔ پھر خاندان میں اور ہے بھی کون؟ باجی کے ایک ہی بھائی تھے۔ سعدی کے ابو، عرصہ ہوا فوت ہو چکے۔ ان کی وفات سے بھی سالوں پہلے سے انہوں نے گھر الگ کر لیا تھا۔ ان کی بیوی کی اپنی ساس، مطلب باجی کی مرحومہ امی سے نہیں بنتی تھی، پھر بھی باجی بڑا خیال کیا کرتی تھیں اپنے بھتیجوں کا، سعدی بھائی لوگ تین بہن بھائی ہیں، یہ تو بس اب کچھ سالوں سے ان کی بول چال۔"

"صداقت! اگر آپ ہمارے شجرہ نسب پہ روشنی ڈال چکے ہو تو ناشتا ٹیبل پہ لگا دو گے؟"

صداقت کے ہاتھ سے چمٹا گرتے گرتے بچا۔ چچی، بھتیجا گھبرا کر پلٹے۔ وہ کوٹ بازو پہ ڈالے دوسرے ہاتھ میں پرس لیے چوکھٹ پر کھڑی تھی اور یہ فقرہ اس نے بنا کسی غصے یا طنز کے بہت سادگی و نرمی سے ادا کیا تھا۔

"لایا باجی بس..." وہ جیسے کرنٹ کھا کر ایک دم تیز تیز کام کرنے لگا۔ چاچی نے بھی خفیف سا سلام کیا۔ وہ اسی نرمی مگر سنجیدگی سے جواب دے کر راہ داری میں آگے چلتی گئی اور ہیل کی فرش سے ٹکراتی آواز گونجتی گئی۔

راہ داری کے سامنے بڑا سا لوِنگ روم تھا۔ اس کا آدھا حصہ صوفوں سے آراستہ ٹی وی لاؤنج تھا۔ باقی نصف میں ڈائننگ ٹیبل بچھی تھی۔ سربراہی کرسی کی جگہ پہ ایک معمر صاحب وہیل چیئر پہ بیٹھے عینک ناک پہ جمائے اخبار دیکھ رہے تھے۔

وہ دائیں ہاتھ کی پہلی کرسی پہ آبیٹھی، چیزیں ایک طرف رکھیں، پلیٹ اٹھائی، کانٹا اس میں رکھا۔

"آج گھر کب آؤ گی؟"

"جلدی آنے کی کوشش کروں گی۔"

وہ بہت ٹھہرے ہوئے نرم انداز میں بولتی تھی اور اس کے فقرے ایک روانی میں لبوں سے ادا ہوتے تھے اور وہ ہمیشہ بات ختم کر کے سانس لیا کرتی تھی۔ اس کے باوجود ہر لفظ واضح اور کلیئر ہوتا تھا۔

"زمر!" انہوں نے پکارا۔ زمر نے جواب میں صرف "ہوں" کہا۔

"کل کی تاریخ یاد ہے کیا تھا؟"

"کوئی کرکٹ میچ تھا؟" زمر نے اسی اطمینان سے پوچھتے ہوئے نیپکن گود میں بچھایا۔

"سعدی کی سالگرہ تھی۔ وہ پچیس سال کا ہوگیا ہے۔"

اس کے ہاتھوں کی حرکت سست ہوئی' بھوری آنکھوں میں سایہ سا لہرایا۔ وہ ایک دم چہرہ موڑ کر صداقت کی طرف متوجہ ہوگئی جو لوازمات میز پہ رکھ رہا تھا اور زمر سے نظریں بھی نہیں ملا پا رہا تھا۔ بڑے ابا بھی اخبار کو ہی دیکھ رہے تھے۔

صداقت اندر چلا گیا تو انہوں نے کہا۔ "تم پھر بھول گئیں نا۔"

"سوری!" وہ پلیٹ میں آملیٹ نکالنے لگی۔

"کیا تمہیں یہ یاد ہے کہ تم کیا کیا بھولنے لگی ہو؟ چار سال سے اس کی ہر سالگرہ بھول جاتی ہو' چار سال سے اس کے گھر جانا بھول گئی ہو' ڈیڑھ سال سے اس کی شکل دیکھنا بھول چکی ہو۔"

زمر نے میز کے وسط میں رکھے گلدان کو دیکھتے ہوئے کپ لبوں سے لگایا' بولی کچھ نہیں۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"وہ تمہاری کوئی سالگرہ نہیں بھولتا۔"

"میں اسے کال کرلوں گی۔"

"کال کرنا' پروا کرنے کے مترادف نہیں ہوتا۔"

زمر نے سنجیدگی سے بڑے ابو کا چہرہ دیکھا جو اب اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

"وہ میرا بھتیجا ہے' میں اس کی پروا کیوں نہیں کروں گی؟"

"تو پھر اس سے ناراضی ختم کیوں نہیں کرتی ہو؟"

"میں اس سے ناراض نہیں ہوں' سعدی میرے لیے کیا ہے' آپ جانتے ہیں اور کوئی بھی چیز اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی۔"

"تو پھر اس سے ملتی کیوں نہیں ہو؟"

"آل رائٹ' آپ ہمارا ناشتا spoil (خراب) کرنا چاہتے ہیں تو ایسے ہی سہی۔" پیالی پرچ پہ رکھ کر وہ مکمل طور پہ ان کی طرف متوجہ ہوگئی۔ "وہ مجھ سے کیوں نہیں ملا۔ جب میں بیمار تھی؟ ابا! میرے گردے ضائع ہوگئے تھے۔ ایک اجنبی فرنچ عورت مجھے گردہ دے سکتی ہے' مگر میرا بھتیجا مجھ سے ملنے نہیں آسکتا۔ کیونکہ اس کی پڑھائی زیادہ ضروری تھی۔ ابا! وہ میرا بیٹا تھا۔ میرا بھائی تھا۔ میرا سب سے اچھا دوست تھا۔ مگر وہ میرے پاس نہیں تھا۔ جب مجھے اس کی ضرورت تھی۔ وہ انگلینڈ چلا گیا اور ہاں وہ وہاں سے مجھے کال کرلیتا تھا۔ مگر کال کرنا پروا کرنے کے مترادف تو نہیں ہوتا نا۔"

"تم اس کی یہ بات درگزر کردیتیں۔ اگر اس نے یہ نہ کہا ہوتا کہ فارس بے گناہ ہے اور۔۔۔"

زمر رک گئی۔ اس کے تاثرات بدلے' آنکھوں میں گہرا کرب' تکلیف' غصہ ابھرا۔

"فارس غازی کا نام میرے سامنے مت لیا کریں' اس شخص نے میرے ساتھ کیا' کیا۔ آپ بھول گئے ہیں تو میں یاد کرادیتی ہوں۔" اس کا جیسے ناشتا حرام ہوچکا تھا۔ لبوں کو نیپکن سے تھپتھپا کر بال کان کے پیچھے اڑسے اور ان کی آنکھوں میں دیکھ کر سپاٹ لہجے میں بولی۔

"وہ۔۔۔ آپ کے پوتے کا ماموں۔۔۔ اس نے چار سال پہلے میری زندگی برباد کردی تھی۔ اس نے اپنی بیوی اور مجھے ایک جگہ بلا کر' ہم دونوں کو شوٹ کردیا' تاکہ میں اصل ٹارگٹ سمجھی جاؤں۔ ان تین گولیوں نے جو مجھے کمر میں لگی تھیں کہ اس شخص نے میری پشت پہ حملہ ہی تو کیا تھا۔ میرے صرف گردے نہیں چھینے' ہر چیز چھینی اور سعدی۔۔۔ اس نے تب بھی کہا تھا اب بھی کہے گا کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے' گریٹ!"

دونوں ہاتھ اٹھا کر اس نے جیسے کسی نادیدہ ہستی کو شاباش دی۔ اس کا رنگ بگڑ چکا تھا اور وہ شدید ڈسٹرب نظر آرہی تھی۔

"اس نے سعدی کے بڑے ماموں اور اپنی بیوی کو مارا۔ یہ ان کا اپنا معاملہ ہے' مگر اس نے مجھے بھی مارنا چاہا تھا اور یہ میرا معاملہ ہے۔ مگر ابا! اس کے باوجود میں فارس غازی کے کیس کو فالو نہیں کرتی' کیونکہ جب

جب اس واقعے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مجھے نئے سرے سے تکلیف ہوتی ہے۔ پلیز مجھے کم از کم ناشتے کی میز پہ یہ تکلیف مت دیا کریں۔"

بہت دکھ سے کہتے ہوئے اپنی چیزیں سمیٹتی وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ بڑے ابا نے خاموش تاسف سے اسے جاتے دیکھا۔ پھر اس کی آدھی چائے کی پیالی کو۔

ہر "سعدی۔۔۔" سے شروع ہو کر "فارس" پہ ختم ہونے والی گفتگو کے نتیجے میں چائے' ناشتے اور کھانے یوں ہی ادھورے رہ جاتے تھے۔

☼ ☼ ☼

صبح پھر حشر کے ساماں ہوئے ہیں

فجر کو قضا ہوئے کئی ساعتیں بیت چکی تھیں اور سورج ابھی تک ٹھنڈا تھا۔ شہر کے مضافات میں ایک پوش علاقے میں زندگی اتنی صبح بھی یوں بیدار اور چاق و چوبند تھی جیسے کبھی سوئی نہ ہو۔

وہ ایک بلند اور عالیشان محل نما گھر تھا۔ باہر سیکورٹی چیک پوائنٹس' مسلح گارڈز' کرنٹ سے لبریز تاریں تھیں۔ اندر عمارت سبزہ زار کے درمیان میں کھڑی تھی اور آگے پیچھے' اونچی نیچی پہاڑیوں کی مانند لان کہیں نشیب میں جاتا' کہیں اوپر اٹھ جاتا۔

لان میں باوردی ملازم چوکسی سے کام نپٹا رہے تھے۔ کسی بڑے ایونٹ سے پہلے ہونے والی پلاننگ ایک سنہرے باب کٹ والی لڑکی جو دودھیا رنگت اور دلکش نقوش کی مالک تھی' ہاتھ سے مختلف جگہوں پہ اشارہ کرتی۔ ایونٹ آرگنائزر کو ہدایات دے رہی تھی۔ جسے آرگنائزر مستعدی سے سرہلاتا پہ نوٹ کرتا جا رہا تھا۔

دور سے ایک فلپینو ملازمہ جو خوش شکل اور بااعتماد تھی اور سفید بلاؤز' اسکرٹ اور ٹائٹس میں ملبوس تھی۔ چلتی ہوئی آئی اور اس لڑکی کے سامنے مسکرا کر' سر کو خم دے کر پوچھا۔

"کیا آپ کو کسی چیز کی ضرورت ہے' مس شہرین؟"

شہرین آرگنائزر کو بتا رہی تھی کہ اسے پھول کیسے اور کدھر چاہییے ہیں' اس نے رک کر بے زار نظر اس پہ ڈالی۔

"صرف اتنا فینونا کہ تم ہر دو منٹ بعد آکر مجھ سے یہ سوال مت پوچھو۔" اور واپس مصروف ہوگئی۔

فینونا کی مسکراہٹ برقرار رہی۔ سر کو خم دیے کر وہ وہاں سے چلی آئی۔ یقیناً" وہ عملے کی سپروائزر تھی' تب ہی بہت تمکنت سے تھوڑی دور ایجنسی کی طرف سے آئی۔ فاضل میڈز کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔

"سب ٹھیک جا رہا ہے؟" اس نے تحکم سے جائزہ لیا۔

"پرفیکٹ... ویسے ابھی پارٹی میں ایک ہفتہ ہے۔ ہم کچھ جلدی تیاری نہیں کر رہے؟"

"اونہوں... یہاں ہر کوئی وقت سے پہلے کام کرنے کا عادی ہے اور یہ ہاشم کاردار کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔ کوئی عام بات نہیں۔" فیٹونا نے قدرے فخر سے جتایا۔ ملازمہ نے مڑ کر بے اختیار شہرین کی سمت دیکھا۔

"یہ ہاشم کاردار کی بیوی ہے نا؟ ان ہی کی بیٹی کی سالگرہ ہے۔"

"ہاں مگر ان کی علیحدگی ہو چکی ہے' یہ یہاں نہیں رہتیں' پارٹی کے لیے آئی ہیں۔"

"اور ادھر کون رہتا ہے؟" ملازمہ کو دلچسپی ہوئی تو اس طرف اشارہ کرتے ہوئے جہاں لان ڈھلان میں جا کر ختم ہوتا تھا وہاں ایک چھوٹی سی عام سی عمارت تھی جیسے انیکسی ہو۔

"وہ... وہ تو فارس غازی کا پورشن ہے۔" فیٹونا نے برا سا منہ بنایا۔

"وہ کون ہے؟"

"ہاشم صاحب کی پھپھو کا بیٹا ہے' مگر وہ گھر مقفل ہوتا ہے۔ کیونکہ فارس جیل میں ہے۔" پھر آواز دھیمی کی۔ "اس نے اپنے سوتیلے بھائی' مطلب اپنے باپ کی پہلی بیوی کے بیٹے کو قتل کر دیا تھا اور اپنی بیوی کو بھی۔"

"اوہ!" ملازمہ کی آنکھیں حیرت و تجسس سے پھیلیں۔ "تو اس کے مقتول بھائی کا خاندان یہاں نہیں رہتا؟"

"بتایا تو ہے' وہ اس کے باپ کا بیٹا تھا۔ سوتیلا بھائی تھا۔ ہاشم صاحب اس کی ماں کی طرف سے کزن ہوئے' تو ان سوتیلے رشتے داروں کا یہاں سے کیا تعلق؟" گوسپ کا لطف ختم ہوا تو وہ منہ بنا کر مڑ گئی۔

گھر کے اندر داخل ہوتے ہی اس کی کروفر بھری چال میں عاجزی آگئی۔ اس نے لونگ روم پار کیا' جس میں سیڑھیاں اوپر جاتی دکھائی دیتیں اور گھر کی چار منزلیں ختم ہونے کے بعد چھت آتی' یوں لونگ روم بہت عالی شان تاثر ڈالتا' پھر وہ ڈائننگ ہال میں آئی اور سربراہی کرسی ادب سے کھینچی۔ یہاں سے لونگ روم نظر آتا تھا اور اسے اپنی مالکن بھی آتی نظر آرہی تھی۔

وہ مسکراتی ہوئی باریک ہیل سے تیز تیز چلتی آرہی تھی۔ ٹائٹس پہ انگریزی طرز کا بغیر آستین کے گھٹنوں سے اوپر آتا لباس پہن رکھا تھا۔ ہلکے بھورے ڈائی بال سیدھے اور کمر پہ تھے اور شیرنی جیسی آنکھیں سجی تھیں' چہرہ خوب صورت و ملائم۔ وہ یقیناً" کافی عمر کی تھی' مگر بے حد اسمارٹ اور تروتازہ۔

"گڈ مارننگ مسز جواہرات!"

"مارننگ...!"

مسکرا کر جواب دیتی وہ سربراہی کرسی پہ ملکہ کی شان سے بیٹھی' نیپکن گود میں بچھایا اور با ادب کھڑی فینونا کو شیریں لہجے میں مخاطب کیا۔

"میرے بیٹے کدھر ہیں؟"

"ہاشم تیار ہو رہے ہیں اور نوشیرواں ابھی نہیں اٹھے۔"

جواہرات نے جواب دیے بنا پلیٹ اپنے قریب کی۔

"میم... آپ کی فلر ٹریٹمنٹ کی اپائنٹمنٹ آج شام کی ہے۔ آپ نے ریمائنڈ کروانے کو کہا تھا۔"

"اور میں نے یہ بھی کہا تھا کہ ایسی باتیں آواز دھیمی رکھ کر کیا کرو۔" اسی شیریں مسکراہٹ سے اس نے فینونا کو دیکھ کر کہا "اور اپنا میک اپ کم کرو' مجھے اسٹاف کی بے ربطگی بالکل پسند نہیں ہے۔"

"سوری میم!" فینونا کی مسکراہٹ اڑن چھو ہوئی۔ اس نے جلدی سے رومال سے لپ اسٹک رگڑی' جواہرات اب ناشتا پلیٹ میں نکال رہی تھی۔

سیڑھیوں کے اوپر پہلے کمرے کا دروازہ بند تھا۔ اندر اے سی کی خنکی اور مردانہ پرفیوم کی مہک نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔ وہ ڈریسنگ ٹیبل کے شیشے کے سامنے کھڑا ٹائی کی ناٹ باندھ رہا تھا۔ کوٹ قریب ہی ٹنگا تھا۔ بال ماتھے پہ پیچھے کو سیٹ کیے۔ وجیہہ نقوش' شان دار شخصیت اور پرکشش سیاہ آنکھیں' بالکل جواہرات کے جیسی۔

دفعتاً" ٹائی درمیان میں چھوڑ کر اس نے وقت دیکھا اور موبائل اٹھا کر چند بٹن دبائے' پھر ایک کال ملائی۔

"باجوہ صاحب! ابھی آپ کو ایک ای میل بھیجی ہے۔ اس کو دیکھنے کے بعد آپ مجھ سے یقیناً" بات کرنا چاہیں گے۔" اگلے کی بات سنے بغیر مسکرا کر فون بند کیا اور رکھ دیا۔ ٹائی کی ناٹ باندھ چکا تو فون بجا اور پھر بجتا گیا۔ چھ سات کالز آئیں۔ مگر اس نے نہیں اٹھایا۔ ذرا خاموشی ہوئی تو اس نے ایک اور نمبر ملایا۔

"خاور... کام ہو گیا ہے۔ اس لڑکی جو بھی نام ہے اس کا... اس کو غائب ہونے کو کہہ دو... اب وہ باجوہ سے نہیں ملے گی اور دوپہر تک میری سیکریٹری اس کی اپے منٹ کلیئر کر دے گی۔" کال کاٹی ہی تھی کہ پھر سے باجوہ صاحب کی کال آنے لگی۔ اس نے مسکرا کر یس کیا اور آئینے میں دیکھتے ہوئے خود پہ پرفیوم چھڑکتے بولا۔

"کیسا لگا میرا تحفہ؟ اگر تم نہیں چاہتے کہ میں اس پر تمہاری بیٹیوں کی رائے لوں تو آج بورڈ کے اجلاس میں تم میری قرارداد کے حق میں ووٹ دو گے۔ ورنہ میں کتنا بے رحم ہوں' تم جانتے ہو۔" دوسرے کا غصہ' احتجاج' درخواست کچھ بھی سنے بغیر اس نے فون رکھ دیا۔ خود پہ دو' تین اسپرے مزید کیے۔ کف لنکس لگائے' کوٹ پہنا اور باہر نکلا۔ راہ داری میں موجود باوردی ملازم نے فوراً" اندر جا کر اس کا بریف کیس اٹھا لیا۔

وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آیا تو جواہرات جوس گھونٹ گھونٹ پیتی اسے ہی دیکھ رہی تھی۔ اس نے قریب آکر اس کا ماتھا چوما' پھر دائیں ہاتھ کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھا۔

"میرا خیال تھا مسز کاردار اب تک آفس جا چکی ہوں گی۔" ساتھ ہی ہاشم نے ابرو سے فینونا کو جانے کا اشارہ کیا۔ وہ فوراً" غائب ہو گئی۔

"تمہاری ایکس وائف صبح سویرے آگئی تو میں کیسے جاتی؟"

"شری کیوں آئی ہے؟" ہاشم نے توس پہ اسپریڈ لگاتے ہوئے غیر دلچسپی سے پوچھا۔ جواہرات نے نزاکت سے شانے اچکائے۔

"سونیا کی سالگرہ ہم نے اسے اس کے گھر نہیں کرنے دی' تو وہ ہفتہ پہلے سے تیاری شروع کر کے انتقام لے رہی ہے۔"

"سونیا کو ساتھ لائی ہے؟"

جواہرات نے نفی میں گردن ہلائی۔

"انی ویز باجوہ کا ووٹ میرے پاس ہے یوں آج عبدالصمد کو ہم ووٹ آؤٹ کر دیں گے۔"

جواہرات کھلے دل سے مسکرائی۔

"یہ تم نے کیسے کیا؟"

ہاشم مسکراتے ہوئے شانے اچکا کر بولا۔ "ہاشم سب سنبھال سکتا ہے۔"

"سوائے اس گھر کے اسٹاف کے۔ مطلب کوئی کام کا بندہ ہے یہاں؟ کبھی کوئی میری کار مار دیتا ہے۔ کبھی میرا سوٹ برباد ہو جاتا ہے' حد ہو گئی۔"

آواز پہ دونوں نے اس طرف دیکھا۔ ٹراؤزر اور شرٹ میں نوشیرواں بستر سے اٹھ کر آیا تھا اور بہت بگڑے موڈ میں آیا تھا۔

"اور اب کیا ہوا ہے؟" ہاشم نے چھری کانٹے سے ٹکڑا توڑتے ہوئے مسکرا کر اس کو دیکھا۔

"میرا سوٹ برباد کر دیا اس جاہل ریاض نے۔ آپ اس کی پے سلپ اس کے حوالے کر دیں ممی۔۔۔ میں نے اسے۔۔۔ کر دیا ہے۔" سیب اٹھا کر اس میں دانت گاڑتے ہوئے وہ خفا خفا سا بولا۔ وہ چوبیس پچیس سال کا خوش شکل نوجوان تھا۔ ہاشم جتنا نہیں، مگر اچھا تھا۔ فرنچ کٹ اور بالوں کی الجھی بکھری اسپائکس۔۔۔ آنکھوں میں بے زاری اور لاپروائی۔۔۔ جواہرات نے ناپسندیدگی سے اس کی بات سنی۔

"تم کب بڑے ہو گئے؟ جب ہاشم تمہاری عمر کا تھا تو وہ اتنا چھوٹا ہرگز نہیں تھا۔"

ہاشم نے ماں کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا اور نرمی سے ٹوکا۔ "میں سمجھا دوں گا نا۔" اور پھر نوشیرواں کی طرف متوجہ ہوا۔ "آج تمہیں آفس میں نظر آنا چاہیے۔"

"آؤں گا بھائی! مگر اپنے وقت پہ۔" اس نے اب مسکرا کر بے نیازی سے کہا۔ ہاشم نے بمشکل مسکراہٹ روکی۔ اسے نوشیرواں پہ کبھی غصہ نہیں آتا تھا۔

"صبح ہو چکی ہے شیرو، اب تم بالکل نہیں سوؤ گے اور تیار ہو کر آفس آؤ گے۔"

"اوکے!" وہ لاپروائی سے کہہ کر سیب کھانے لگا۔ ہاشم کا فون پھر سے بجنے لگا۔ اس نے جوس کا گھونٹ بھرا اور موبائل کان سے لگایا۔

"ہاشم کاردار؟" نسوانی آواز نے استفسار کیا۔

"آگے بولو۔" اس کا لہجہ بے لچک اور سپاٹ ہو گیا۔

"میں کامران حیات کے آفس سے بات کر رہی ہوں۔ پلیز لائن پہ رہیے گا، کامران صاحب بات کریں گے۔"

"اپنے باس کو بولو کہ میں سیکریٹریز سے بات نہیں کرتا، اسے مجھ سے کام ہو تو مجھے خود کال کیا کرے۔" بے نیازی سے کہہ کر اس نے موبائل بند کر دیا۔ جواہرات اور نوشیرواں نے اپنی خفگی بھلا کر مسکراتی، مگر فخریہ نگاہوں کا تبادلہ کیا۔ ہاشم کا موبائل پھر سے بار بار بجنے لگا تو شیرو کو کہنا پڑا۔

"اٹھا لیں بھائی! بے چارے کی کال۔"

"شام کو اٹھاؤں گا۔ اسے پورا دن خوار ہونے دو۔ کام ہو تو ہاشم کاردار یاد آ جاتا ہے۔" وہ ناشتا ختم کر کے اب اٹھ رہا تھا۔ جواہرات نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"کورٹ جا رہے ہو؟"

"پہلے آفس پھر کورٹ۔۔۔ جنرل نوید کے بیٹے والا مسئلہ، وقت پہ نہ گیا تو زمر سیٹل منٹ سے انکار ہی نہ کر دے۔ اس مغرور عورت کا کوئی بھروسا نہیں، ممی۔"

"زمر کو میرا سلام کہہ دینا۔" جواہرات نے دلچسپی سے کہا۔

"شیور۔۔۔" ہاتھ صاف کر کے اس نے موبائل اٹھایا ہی تھا کہ وہ پھر سے بجا۔ ہاشم نے "ہاں خاور بولو" کہہ کر عجلت میں کال ریسیو کی تھی۔ مگر دوسری طرف جو کہا جا رہا تھا، اسے سن کر وہ بالکل رک گیا۔ آنکھیں سکیڑ لیں اور آہستہ آہستہ واپس بیٹھ گیا۔

"ہوں۔۔۔ پچھلے دو مہینے میں وہ کس کس سے ملا ہے۔ اپنے وکیل کے علاوہ، مجھے ایک ایک ملاقات کی تفصیل دو۔ تمہارے پاس دس منٹ ہیں۔" سرد لہجے میں کہہ کر اس نے فون بند کیا تو وہ دونوں اسی کا چہرہ دیکھ رہے تھے۔ اس نے صرف ایک لفظ کہا۔ "فارس!"

جواہرات کے ہاتھ سے سیب کی قاش پھسلی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"فارس۔۔۔ کا کیا ذکر؟"

"اس کا کیس۔۔۔ آج اس کا فیصلہ متوقع ہے۔" وہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

جواہرات سانس لینا بھول گئی۔

"اور تمہیں اب پتا چل رہا ہے؟"

ہاشم کی آنکھوں میں خفگی ابھری۔

"میں اراضی کے مقدمات میں پھنسا تھا۔ اس طرف دھیان نہیں گیا۔ مجھے عجیب لگ رہا ہے کہ اس کا فیصلہ اچانک سے آنے والا ہے۔"

ڈائننگ ہال میں خاموشی چھا گئی۔ جواہرات کی مسکراہٹ اب غائب تھی۔ وہ بالکل یک ٹک ہاشم کو دیکھ رہی تھی۔

"ڈونٹ وری، وہ رہا نہیں ہو گا۔" ہاشم کو کہنا پڑا۔

"اسے رہا ہونا بھی نہیں چاہیے اور تم اس بات کو یقینی بناؤ گے ہاشم!" وہ بے حد مضطرب لگ رہی تھی۔

"میں سنبھال لوں گا ممی!"

"تمہارے اس کزن کے رہا ہونے کا مطلب ہے کہ عدالت کے نزدیک وہ قاتل نہیں ہے۔ یقیناً اگلا سوال یہ ہو گا کہ پھر قاتل کون ہے؟" نوشیرواں نے سیب کھاتے چباتے ہوئے کہا۔ دونوں نے بے اختیار اسے دیکھا۔ اس کا ہلتا منہ رک گیا۔

"یوں ہی کہہ رہا تھا۔" اس نے کندھے اچکائے۔

"یہ بات میں دوبارہ تمہارے منہ سے نہ سنوں شیرو!" جواہرات نے بمشکل غصہ ضبط کیا، پھر ہاشم کو دیکھا۔ جیسے خود بھی وہی سوال پوچھ رہی ہو۔ اس کی شیرنی جیسی آنکھوں میں تپش تھی۔

ہاشم نے ذرا سے کندھے اچکائے۔ "فیصلہ اس کے خلاف ہی آئے گا، ڈونٹ وری۔ وہ باہر نہیں آئے گا اور آ بھی جائے تو مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" تب ہی اس کا فون پھر بجا۔ اس نے فوراً کال وصول کی۔

"ہاں خاور۔۔۔ ہوں۔۔۔ اچھا۔۔۔" سنجیدہ، سپاٹ تاثرات کے ساتھ وہ سنتا رہا، پھر فون رکھ دیا۔

"سعدی! سعدی یوسف!" اس نے ہولے سے کہا اور۔۔۔

نوشیرواں کا چہرہ یوں ہو گیا جیسے اس نے زہریلا سیب نگل لیا ہو۔

☆ ☆ ☆

؎ مت چھیڑو ہم اہل جنوں کو

زمر نے جب گاڑی سگنل سے تیزی سے گزاری تو بتی زرد تھی اور اس کے نکلتے ہی وہ سرخ ہو گئی۔ اس نے بے اختیار سائیڈ مرر میں دیکھا۔ ٹریفک سارجنٹ اس کو اشارہ کر رہا تھا۔ گہری سانس لے کر سر جھٹکتے اس نے کار سائیڈ پہ کی۔ انجن بند نہیں کیا۔ بٹن دبایا، شیشہ نیچے گرتا گیا۔ اس نے سن گلاسز اوپر کر کے گھنگھریالے بالوں پہ لگائے اور اسٹیئرنگ پہ دونوں ہاتھ رکھ کر مختصر سی نظر آنے لگی۔

"بی بی۔۔۔ آپ نے سگنل توڑا ہے۔" وہ کھڑکی تک آیا اور کھردرے لہجے میں بولا۔

"سگنل میرے گزرنے کے بعد ریڈ ہوا تھا۔" اس نے گردن ذرا اٹھا کر بے نیازی سے جواب دیا۔

"نہیں جی۔۔۔ آپ نے لال بتی کراس کی ہے، چالان بنتا ہے۔" وہ بک کے صفحے پلٹتے معمول کے مطابق کہہ رہا تھا۔

"آپ اسے سنبھال کر رکھیں۔ کیونکہ ہم دونوں کو پتا ہے کہ میں نے سگنل نہیں توڑا۔"

"میں گواہ ہوں، آپ نے سگنل توڑا ہے۔"

"بتی زرد تھی۔"

"تو آپ کو معلوم ہو گا کہ زرد کے بعد بتی لال ہوتی ہے۔ آپ کو نہیں گزرنا چاہیے تھا۔" وہ قلم کھول رہا تھا۔

"پھر آپ کو بھی معلوم ہو گا کہ آپ کے سگنل کا ٹائمر خراب پڑا ہے۔" اس نے سگنل کی جانب اشارہ کیا۔ "تو مجھے کیسے پتا چلے گا کہ کتنے سیکنڈ بعد بتی سرخ ہونی ہے۔"

"بی بی! آپ بحث کیوں کر رہی ہیں؟ چالان دیں اور جائیں۔" وہ اکتا کر بولا۔ زمر نے اثبات میں گردن ہلائی، چابی گھمائی اور کار بند کر دی، پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں تو چالان نہیں دوں گی، کیونکہ میری غلطی نہیں ہے اور آفیسر آپ مجھ سے اونچی آواز میں کافی بدتمیزی سے بات کر رہے ہیں۔ اس لیے میں کروں گی یہ کہ میں کار ادھر سائیڈ پہ لگاؤں گی، پھر ڈسٹرکٹ بار فون کروں گی۔ آدھے گھنٹے میں یہاں بار کے نمائندے اور دو مخالف میڈیا چینلز کے کیمرے ہوں گے اور میں اسی جگہ پریس کانفرنس کر کے ان کو بتاؤں گی، کس طرح نااہل ٹریفک پولیس اپنے ٹائمر ٹھیک کروانے کے بجائے خواتین کو روک کر ان سے بدتمیزی کر رہی ہے اور جب سارا میڈیا آئی جی ٹریفک کو لائن پہ لے کر ان

کی کارکردگی پہ سوال اٹھائے گا تو وہ یقیناً "سب سے پہلے اس آفیسر کا نام جاننا چاہیں گے جس نے ایک خاتون کو غلط روک کر نہ صرف اس سے بدتمیزی کی بلکہ اسے ساعت پہ وقت پہ پہنچنے سے بھی روکا۔ کیونکہ میں ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر زمر یوسف ہوں اور اگر میں پانچ منٹ بھی لیٹ ہوئی اور اس سے اس کیس پہ ذرا سا بھی اثر پڑا تو میں اس امر کو یقینی بناؤں گی کہ آپ اپنی زندگی کے اگلے پانچ سال عدالت کے دھکے کھاتے ہوئے گزاریں گے۔ میں جن لوگوں سے روزانہ ڈیل کرتی ہوں وہ قاتل' چور' اور rapists ہوتے ہیں۔ اس لیے میری کار سے ہاتھ ہٹائیں۔ جا کر اپنی ڈیوٹی کریں اور مجھے میری ڈیوٹی کرنے دیں۔"

اس نے گلاسز واپس آنکھوں پہ لگائے۔ چابی گھمائی' ایکسیلیٹر پہ دباؤ بڑھایا۔ آفیسر بے اختیار پیچھے ہٹا اور وہ زن سے کار آگے لے گئی۔

"اللہ ان عورتوں کو زبان نہ دے' یا پھر وکیل نہ بنائے۔" وہ غصے اور بے بسی سے بڑبڑاتے ہوئے اپنی جگہ پہ واپس جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

ع اس شہر دل نواز کے آداب دیکھنا

"سعدی؟ فارس کا بھانجا؟" جواہرات نے اچنبھے سے ابرو اٹھائیں' نوشیرواں نے بے زاری سے سیب رکھ دیا۔ اس کا کھانا حرام ہو چکا تھا۔

"وہ ہر ہفتے فارس سے ملنے آتا ہے۔" ہاشم گہری سوچ میں ڈوبا آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھ رہا تھا۔

"اس میں کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔"

"مگر۔۔۔ وہ مجھے بھی اپنے آس پاس نظر آیا ہے۔ ایک' دو دفعہ' بالکل رینڈم جگہوں پہ۔ جہاں اس کا کوئی کام نہیں تھا۔ یہ لڑکا کچھ گڑبڑ ہے۔" ہاشم پہلے سے زیادہ ڈسٹرب لگ رہا تھا۔

"ہاشم۔۔۔ مجھے اس سارے مسئلے کا حل بتاؤ۔" وہ مضطرب اور بے چین سی بولی۔

"ممی! بھائی سنبھال لے گا نا۔"

ہاشم نے سنا ہی نہیں' اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا۔ اس نے فینونا کو آواز دی اور اسے دو دعوت نامے لانے کو کہا۔

"بہت عرصہ ہوا میں اس سے نہیں ملا۔ اب اسے میری پارٹی میں آنا چاہیے۔" وہ جیسے کوئی لائحہ عمل ترتیب دے کر بولا تھا۔

"اوہ پلیز۔۔۔ اگر وہ آئے گا تو میں پارٹی میں نہیں ہوں گا۔ میں اسے اپنے گھر میں نہیں برداشت کر سکتا۔" نوشیرواں کا موڈ بگڑ چکا تھا۔ "یونیورسٹی کے پانچ سال میں نے اسے برداشت کیا ہے۔ اب اور نہیں۔" پھر یکایک اس کے تاثرات بدلے۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ جواہرات نے لاؤنج کی سمت دیکھا۔ شہرین ادھر ہی آ رہی تھی۔ نوشیرواں کا چہرہ ایک دم چمکنے لگا۔ جواہرات نے مسکرا کر گہری سرد نظروں سے باری باری دونوں کو دیکھا۔

"آپ کب آئیں؟ مجھے پتا ہی نہیں چلا۔" نوشیرواں کو اپنے رف حلیے پہ جیسے شرمندگی ہوئی تھی۔

"بدقسمتی سے شہری میری بیٹی کی ماں ہے اور اس کی سالگرہ کی تیاری کے لیے یہ یقیناً" ارلی مارننگ ہی آئی ہوگی۔" ہاشم مسکرا کر کہتے ہوئے اٹھا اور مڑ کر اسے دیکھا۔ وہ بے زاری سے نظر انداز کر کے جواب دیے بنا جواہرات کی طرف متوجہ ہوئی۔

"میں نے سیٹنگ ارینج منٹ فائنل کر دی ہے۔ آپ دیکھ لیجئے گا۔" پھر نوشیرواں کو دیکھ کر تکلفاً" مسکرائی۔ ہاشم تب تک باہر نکل چکا تھا۔

"لسٹ میں دو نام اور بھی ایڈ کرنے ہیں۔ سعدی یوسف اور زمر یوسف۔" جواہرات نے اسی سرد مسکراہٹ کے ساتھ نشاندہی کی۔ شہرین ذرا چونکی۔

"سعدی؟ وہ۔۔۔ فارس کا بھانجا؟"

"آپ اسے جانتی ہیں؟" نوشیرواں کو برا لگا۔ وہ ابھی تک کھڑا تھا۔

"ہوں۔۔۔ کچھ زیادہ نہیں۔" وہ سنبھل کر بے نیاز

نظر آنے لگی۔ پھر جب جانے کے لیے پلٹی تو جواہرات نے آواز دی۔

"کیا تم شام میں آؤ گی؟"

"نہیں۔۔۔" وہ باہر جا چکی تھی۔ جواہرات نے مسکرا کر نوشیرواں کو دیکھا اور نزاکت سے ایئر رنگ پہ انگلی پھیرتے ہوئے بولی۔

"وہ ایک دن میں بھی دوسری دفعہ اس گھر میں آنا پسند نہیں کرتی۔"

نوشیرواں چونکا' پھر خفیف سا سر جھٹکا اور کھڑا ہو گیا۔

"یہ سعدی لوگوں کا ریسٹورنٹ وہیں ہے نا؟" بات بدلنے کو اس نے پوچھا یا پھر وہ واقعی اسی نہج پہ سوچ رہا تھا۔ جواہرات نے شانے اچکا کر گلاس لبوں سے لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

ع ہوا کی زد پہ بھی دو اک چراغ روشن ہیں
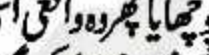
صبح ابھی تازہ تھی اور سفیدی سنہرے پن میں نہیں بدلی تھی۔ کاردار ز کے گھر کو کہ ناشتا ختم ہو چکا تھا' فجر کی آئی شہرین واپس' نوشیرواں دوبارہ سونے اور ہاشم کورٹ کے لیے نکل چکا تھا۔ مگر اکثر گھروں میں ناشتے' اسکول' کالج کی تیاری ابھی چل رہی تھی۔ اس سیکٹر کے درمیانے درجے کے گھروں میں ایک وہ چھوٹے باغیچے والا گھر بھی تھا جس کی بیرونی تختی پہ ذوالفقار یوسف (مرحوم) لکھا تھا۔ گھر کے اندر جاؤ تو کمروں سے کمرے نکلتے تھے۔ دو منزلہ گھر چھوٹا سا تھا۔ اسی لیے کچن میں پکتے ناشتے کی مہک اور دھواں سارے میں پھیلا تھا ایک فربہی مائل خاتون پراٹھا توے پہ پلٹتے ہوئے غصے سے زور' زور سے آوازیں بھی دیے جا رہی تھیں۔

"اسامہ۔۔۔ حنین۔۔۔ اٹھ جاؤ۔۔۔ وین آنے والی ہے۔"

"کیا امی۔۔۔ میں کب کا تیار بھی ہو چکا ہوں۔" ایک تیرہ برس کے لڑکے نے ناراضی سے کہتے کچن میں جھانکا۔ وہ یونیفارم میں ملبوس تھا اور برش سے گیلے بال سنوار رہا تھا۔ اس کے بال گہرے بھورے اور گھنگھریالے تھے۔ اپنی زمر پھپھو کی طرح۔

ندرت نے عجلت میں مڑ کر اسے دیکھا۔ "اچھا شاباش۔۔۔ اور حنین کدھر ہے؟"

"کٹو بیگم ابھی تک سو رہی ہے۔"

"کتنی دفعہ کہا ہے سیم کہ بڑی بہن کو ان ناموں سے مت پکارا کرو۔"

"گن کر بتاؤں کتنی دفعہ امی؟"

اس سے پہلے کہ وہ جوتا اتارتیں' وہ بھاگ چکا تھا۔

ایک کمرے میں آ کر وہ رکا۔ وہاں دو پلنگ مخالف دیواروں سے لگے تھے۔ ایک کی سائیڈ ٹیبل پہ اسامہ کا بیگ رکھا تھا۔ دوسرے پہ لحاف منہ تک لیے وہ سو رہی تھی۔

"حنین۔۔۔ حنی ی ی ن۔۔۔" اس کے نام کو لمبا کھینچ کر پکارا۔ "کٹو بیگم' اٹھ جاؤ۔" پھر غصے سے اس کا لحاف میں دبکا بازو ہلایا۔ اندر کوئی جنبش نہیں ہوئی۔ اسامہ کے تاثرات بدلے۔ آنکھوں میں شرارت چمکی۔۔۔ وہ پائنتی کی طرف آیا۔ وہاں ایک نسوانی پیر لحاف سے باہر تھا۔ اس نے دو انگلیوں سے پیر کے نیچے گدگدی کی۔

پیر تیزی سے اندر کھینچا گیا۔ ساتھ ہی لحاف اتار کر وہ دھاڑی۔

"بدتمیز۔۔۔ الو۔۔۔ میں تمہیں چھوڑوں گی نہیں۔" جھک کر بیڈ کے آس پاس جوتا تلاش کیا' مگر وہ بھاگ کر چوکھٹ کے باہر چھپ گیا تھا۔ پھر کچھوے کی طرح گردن اندر کر کے بولا۔

"وین آنے والی ہے' آج میں تمہیں چھٹی نہیں کرنے دوں گا کٹو بیگم۔" جوتا اڑتا ہوا اس تک آیا' مگر اسامہ اڑن چھو ہو چکا تھا۔

"میں چھٹی کر بھی نہیں رہی' پیپر ہے میرا' مگر مجال ہے جو یہ دس منٹ زیادہ سونے دے۔" وہ منہ بسورتی' پیر فرش پہ مارتی اٹھی۔ "کیا یار۔۔۔ روز صبح صبح اٹھنا پڑتا ہے۔" پھر جیسے کچھ یاد آیا۔ لپک کر راہداری میں آئی اور زور سے چلائی۔

"معموٹے آلو' اب آنا تم میرے پاس کاپی پہ کور چڑھوانے یا نوڈلز بنوانے۔"

غصہ نکال کر اندر آئی۔ گھڑی دیکھی۔ "اوہ نو۔" وہ بھاگ بھاگ کر تیار ہونے لگی۔ الماری کھولی تو کپڑوں کا ڈھیر باہر کو گرا' بمشکل اس ڈھیر کو ہاتھ سے روک کر اندر سے ایک سوٹ کھینچا۔ ڈھیر کو واپس دھکیلا اور باتھ روم میں گھس گئی۔

باہر آئی تو جلدی جلدی جوتے پالش کیے' کپڑے کوئی خاص استری نہ تھے۔ ساتھ ساتھ امی کی صلواتیں۔

"کتنی دفعہ کہا ہے کہ رات کو کام کرکے رکھا کرو۔ جس دن میں نہ کروں تم دونوں کوئی کام نہیں کروگے۔" وہ راہ داری کے سرے پہ گول میز پہ ناشتا رکھتے افراتفری میں ڈانٹ بھی رہی تھیں۔ "ایک میرا سعدی ہے' کبھی مجھے تنگ نہیں کیا' بغیر کہے ہر کام کرتا ہے۔"

وہ جو زمین پہ بیٹھی جوتے پالش کررہی تھی' ایک دم رکی۔ "امی۔۔۔ بھائی کہاں ہے؟"

"ریسٹورنٹ پہ ہے۔ آج کل آفس سے چھٹی لے رکھی ہے' مگر فجر کے بعد آفس کا کام لے کر ریسٹورنٹ چلا جاتا ہے۔ کالونی کی مسجد میں فجر بھی آج اسی نے پڑھائی تھی۔ امام صاحب بیمار ہیں نا اور ایک تم دونوں ہو' جس دن جوتے نہیں کھاؤ گے' نماز کے لیے نہیں اٹھو گے۔"

"اللہ۔۔۔ بھائی بھی نا' چھٹی لے کر بھی کام کرنا نہیں چھوڑے گا۔" وہ جوتے پہن کر اٹھی۔ یہ بات کہتے ہوئے انداز میں فخر در آیا تھا۔

تب ہی وین کا ہارن سنائی دینے لگا۔

"جاؤ موٹے' جاکر بیٹھو' انکل کو تسلی ہو۔" اسامہ نے فوراً" ہدایت پہ عمل کیا اور "اچھا کٹو بیگم" کہتا باہر بھاگا۔ حنین نے توجہ نہیں دی۔ وہ برش لیے جلدی سے ماں کے قدموں میں آبیٹھی اور گردن اونچی کی۔ وہ تیز تیز اس کی فرنچ چوٹی بنانے لگیں۔

"اماں دعا کرنا۔ بس آج کا پیپر اچھا ہوجائے۔ پھر تین رہ جائیں گے' جان چھٹے گی۔" وہ سر اونچا کیے کہہ رہی تھی۔ وہ انیس' بیس سال کی دبلی پتلی سی لڑکی تھی۔ رنگت گندمی تھی اور نقوش معمولی۔ خوب صورت تو بالکل نہیں تھی' مگر اچھی لگتی تھی۔ درمیانی سی' بال سیاہ اور سیدھے تھے۔ کندھوں سے ذرا نیچے آتے اور ماتھے پہ برابر کٹے تھے۔ امی نے فرنچ چوٹی بناتے ہوئے ماتھے والے چھوڑ دیے تھے اور پچھلوں کو گوندھ کر ربر بینڈ لگا دیا۔

بیگ اٹھا کر' دوپٹا کندھے پر برابر کرکے' باہر نکلتے نکلتے حنین نے ایک دم مڑ کر ندرت کو پکارا۔

"امی۔۔۔ بھائی نے وعدہ کیا تھا کہ آج فارس ماموں رہا ہوکر گھر آجائیں گے۔ امی! کیا وہ واقعی آجائیں گے؟" اس کی آواز میں امید بھی تھی اور آس ٹوٹنے کا خوف بھی۔

"تمہارے بھائی نے کب اپنا وعدہ پورا نہیں کیا؟" ندرت نم آنکھوں سے مسکرائیں تو وہ بھی مسکرا دی۔

وین کا ہارن پھر بجا تو وہ بوکھلا کر باہر بھاگی۔

اسامہ اگلی سیٹ پہ انکل کے ساتھ بیٹھا تھا اور پچھلی نشستوں پہ لڑکیاں بیٹھی تھیں۔ حنین کے بیٹھتے ہی وین چل پڑی۔ اس کی کلاس فیلو رافعہ نے ذرا منہ بنا کر کہا۔

"حنین! جلدی آیا کرو۔"

اسامہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"رافعہ باجی۔۔۔ جب آپ لوگ تھرٹی ون اسٹریٹ میں رہتے تھے اور آپ کو ہم سے بعد میں انکل پک کرتے تھے تو ہم بھی آپ کا اسی طرح انتظار کرتے تھے۔"

رافعہ ہونٹ سکیڑ کر خاموش رہی۔ حنین نے فاتحانہ نظروں سے اسے دیکھا اور اپنا بیگ آگے اسامہ کی طرف بڑھایا' جسے اس نے اپنے قدموں میں رکھ لیا۔ رافعہ اور سحل نے بھی اپنے اپنے بیگ اسی نیت سے اٹھائے کہ ذرا زیادہ آرام سے بیٹھ سکیں۔ اس سے قبل کہ وہ اپنے بیگ آگے پاس کرتیں۔ حنین نے بازو بڑھا کر اسامہ کی گردن کی نبض محسوس کی' پھر لڑکیوں کو دیکھتے ہوئے ایکسائیٹڈ سی بولی۔

"ابھی سانس لے رہا ہے' ایسا کرو تم سب اپنے

پکڑ دے دو' تاکہ بچے کا سانس صحیح سے تو بند ہو۔" پکڑ آگے بڑھاتے ہاتھ فوراً" رکے اور منہ بنا کر واپس ہوگئے۔ حنین کے چہرے کے تاثرات بدلے اور تنبیہی نظروں سے ان سب کو دیکھ کر پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ اسامہ نے گردن ذرا موڑ کر مسکراہٹ چھپاتے اسے دیکھا اور ایک آنکھ دبائی۔ حنین نے بھی بے ساختہ امڈ کر آتی مسکراہٹ روک لی۔

گھر کی مرغی اور باہر کی دال میں واضح فرق تھا۔

☆ ☆ ☆

اسلام آباد پہ صبح کا دودھیا پن زرد ہو کر خستہ پڑ گیا اور سورج سوا نیزے پہ پہنچا تو سارے درخت پسینے میں نہا گئے۔ مگر لندن میں ابھی صبح تازہ تھی۔ ٹھنڈی سی چھایا میں گھرے ہلٹن ہوٹل کے اندر لابی میں معمول کی گہما گہمی تھی۔

ایک کارنر میں ایک فربہی مائل' سوٹڈ بوٹڈ صاحب کے ساتھ ایک سوٹ میں ملبوس نوجوان کھڑا تھا۔ وہ صاحب جیسے کسی کا انتظار کررہے تھے۔ دفعتاً" نوجوان نے گھڑی دیکھتے ہوئے ان کو مخاطب کیا۔

"کانفرنس شروع ہونے میں خاصا وقت ہے۔ ڈاکٹر عطا کیوں نا ہم اندر چل کر بیٹھیں؟"

"بس تھوڑی دیر اور خضر۔"

"آپ کی واپسی کب ہے اسلام آباد کی؟"

"کانفرنس اٹینڈ کرکے نکل جاؤں گا شام کو۔ تم لوگ کب تک ہو؟" مگر پھر خضر کا جواب سنے بغیر ہی وہ جیسے دور کسی کو دیکھ کر شناسا سا مسکرائے تو خضر نے اس جانب دیکھا۔

"آپ ڈاکٹر سارہ کا انتظار کررہے تھے؟"

"آؤ۔۔۔ تمہیں ملواتا ہوں۔" وہ اسے لیے انٹرنس تک چلے آئے۔ جہاں سے وہ چلتی آرہی تھی۔ وہ گوری گلابی' نیلی سبز آنکھوں والی تھی۔ عمر تیس سے پینتیس کے درمیان' مگر کافی دبلی پتلی' خوب صورت نہیں تھی' پیاری تھی۔ مسکراتی تو آنکھوں کے گرد لکیریں پڑتیں۔ بال فرنچ ناٹ میں باندھ رکھے تھے۔ مجموعی طور پر اس کے چہرے پہ ایک سادہ اور پرخلوص سا تاثر تھا۔ وہ ان کو دیکھ کر شناسائی سے سر کو خم دیتی قریب آئی۔ ہاتھ میں فائل' فولڈر' بیگ' بہت کچھ اٹھا رکھا تھا۔

"سوری ڈاکٹر عطا۔۔۔ مجھے دیر تو نہیں ہوگئی۔ بیٹیوں کو اسلام آباد چھوڑ کر آئی ہوں۔ آپ کو پتا ہے نا ان سے تفصیلی بات نہ کرلوں تو مجھے تسلی نہیں ہوتی۔" بہت سادہ اور معذرت بھرے انداز میں بولی۔ "بالکل ایسا ہی ہے' اچھا ان سے ملو' یہ خضر ہیں' پلاننگ کمیشن میں شاید تم نے کبھی ان کو دیکھا ہو اور خضر' یہ ڈاکٹر سارہ غازی ہیں۔ کیمیکل انجینئر ہیں' تھرکول پاور پروجیکٹ کی پروجیکٹ ڈائریکٹر' پراسیس ڈیزائن میں پی ایچ ڈی کرنے والی پہلی پاکستانی اور آج کی انٹرنیشنل انرجی ایجنسی کے اس سیمینار میں ہمارے ملک کی نمائندگی کریں گی۔ مختصراً" یہ ایک راکٹ سائنٹسٹ ہیں۔" بات ختم کرکے انہوں نے فخر سے اس عہدیدار کے تاثرات دیکھے۔

"سر مجھے میڈم کے کریڈینشلز سننا اچھا لگ رہا تھا' ورنہ ہماری بہت اچھی ملاقات ہے۔ میڈم کا پلاننگ کمیشن میں روز کا آنا جانا ہے۔" خضر نے تب بتایا جب وہ سب کہہ چکے۔ سارہ نے مسکرا کر سر اثبات میں ہلایا۔ ڈاکٹر عطا بے حد محظوظ نظر آنے لگے۔

"میں بڑوں کو نہیں ٹوکتی' ورنہ مجھے اپنے کریڈینشلز سننا بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔" پھر خضر کی طرف متوجہ ہوئی۔ "اور سنائیں خضر پلاننگ کمیشن والے ٹھیک ہیں؟"

"سنائیں گی تو آپ میم۔۔۔ آپ لوگوں نے انٹرنیشنل کورٹ میں آئی ایم ایف کے خلاف کیس جیتا ہے' جتنی مبارک دوں کم ہے۔"

"جی خضر صاحب۔۔۔ اس کا تو گورنر صاحب کو کریڈٹ جاتا ہے جنہوں نے اپنے خرچ پہ کیس لڑا تھا۔" وہ ابرو اٹھا کر سادگی اور خوشی سے کہہ رہی تھی۔

"کوئی شک نہیں۔" ڈاکٹر عطا نے تائید کی۔ پھر

جیسے کچھ یاد آنے پہ پوچھنے لگے۔ "ڈاکٹر سارہ... کل ہی کسی نے مجھ سے پوچھا تو سوچا آپ سے معلوم کروں گا' آپ کے ہزبینڈ کے مرڈر کیس کا کیا بنا؟"

سارہ کی مسکراہٹ پھیکی پڑی۔ آنکھوں میں سائے لہرائے۔ اس نے خفیف سا سر جھٹکا۔ پلاننگ کمیشن کے عہدیدار نے سوالیہ ڈاکٹر عطا کو دیکھا۔

"سارہ کے ہزبینڈ... وارث غازی نیب آفیسر تھے۔ تین' چار سال پہلے ان کا مرڈر ہوا تھا۔ ان کے بھائی نے ہی کیا تھا۔" "سارہ! کیا اسے سزا ہوئی؟" وہ دوبارہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔

"اوہ... بہت افسوس ہوا۔" خضر کو جیسے شرمندگی ہوئی۔

"میں نہیں جانتی کہ ان کے بھائی نے قتل کیا بھی تھا یا نہیں' ڈاکٹر عطا' سب کہتے تھے کیا تھا تو شاید کیا ہو' مگر میں اس کیس کو فالو نہیں کرتی۔ انتقام' قصاص' بدلہ' ان سب سے کچھ حاصل نہیں ہوتا' میرا کل اثاثہ میری بیٹیاں ہیں اور وہ ابھی بہت چھوٹی ہیں' سو میں کسی ایسے معاملے میں نہیں انوالو ہونا چاہتی جو ان کی سیفٹی کو خطرے میں ڈالے۔" بھری محفل میں کسی کے دکھ کا ذکر چھیڑ دینا' بری نیت سے ہو یا اچھی نیت سے' دل ہمیشہ ایک طرح سے ہی دکھاتا ہے۔ وہ بھی افسردہ ہو گئی تھی۔

"میم... آپ سے کچھ ڈاکومنٹس مانگے تھے میں نے۔" آپ نے کہا تھا میل کروا دیں گی' مگر مجھے ملے نہیں ابھی تک۔" خضر نے جیسے بات بدلی۔ وہ ابھی تک لابی میں کھڑے تھے اور ماحول خاصا سوگوار ہو گیا تھا۔ لمحے بھر میں وہ تینوں اردگرد سے کٹ گئے تھے۔ سارہ زبردستی مسکرائی۔ "آئی ایم سوری خضر' میرا سینئر انجینئر چھٹی پہ ہے' کچھ دنوں میں شام میں اسلام آباد واپس جا رہی ہوں۔ جاتے ہی اس کو یاد کرواؤں گی۔ وہ آپ کو میل کر دے گا۔"

"اوہ ہاں... میں پوچھنے لگا تھا۔ آپ کا سینئر انجینئر آپ کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے ہمیشہ' آج نظر نہیں آرہا۔"

"وہ کسی ذاتی کام میں مصروف ہے۔" کہتے ہوئے اس کی زبردستی مسکراہٹ قدرتی مسکان میں بدلنے لگی۔

خضر نے ماتھے کو چھوا۔

"میں اس کا نام ہمیشہ بھول جاتا ہوں' کہیں یہ نہ ہو کہ میں اس کی میل مس کر دوں۔"

"سعدی... سعدی یوسف!" سارہ نے یاد دلایا پھر چہرے پہ دوبارہ بشاشت لاتے ہوئے ان دونوں کو دیکھا۔ "اندر چلتے ہیں' آج ہمارے پاس توانائی کی دنیا کو دکھانے اور بتانے کے لیے بہت کچھ ہے۔" وہ کہہ کر آگے بڑھی تو دونوں اس کے ساتھ ہو لیے۔ البتہ ڈاکٹر عطا ابھی تک یہ موضوع چھیڑنے پہ پشیمانی محسوس کر رہے تھے اور خضر یاد کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"بالکل... سعدی یوسف... بہت ہی competent لڑکا ہے۔ میں ایک دفعہ ملا تھا۔" وہ دور ہوتے گئے اور لابی کی گہما گہمی میں ان کی آوازیں مدھم پڑتی گئیں۔

☼ ☼ ☼

ع گرفتہ دل تھے مگر حوصلہ نہ ہارا تھا۔

اسلام آباد میں دوپہر تیز شعاعوں کے ساتھ گویا برس رہی تھی۔ ایسے میں سنہری روشنی میں نہائے چھوٹے باغیچے والے گھر سے آگے مین روڈ پہ نکلیں تو مرکز شروع ہو جاتا' جہاں ایک قطار میں دکانیں تھیں اور قطار کے کونے پہ آخری دکان میں ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ تھا۔ اوپر بڑے سے بورڈ پہ جلی حروف میں لکھا تھا۔ " Foodily Everafter "

یقیناً" یہ پریوں کی کہانیوں کے اختتامی happily everafter کی اشتہا انگیز نئی شکل تھی۔

ریسٹورنٹ کے برآمدے میں بچھی کرسیاں خالی تھیں۔ قریب ہی پھولوں کا اسٹال لگائے کم عمر پٹھان بچہ موجود تھا۔ ریسٹورنٹ کی سڑک کے سامنے کی دیوار

شیشے کی تھی۔ جس سے اندر جھانکو تو سب سونا پڑا تھا۔ ابھی لنچ ٹائم نہیں ہوا تھا۔ سو سوائے ویٹرز کے جو کام نپٹانے پھر رہے تھے۔ وہاں کوئی گاہک موجود نہ تھا۔ سب میزیں خالی تھیں۔ سوائے شیشے کی دیوار سے لگی میز کے۔ اس پہ لیپ ٹاپ رکھا تھا۔ ایک کھلی فائل اور دو موبائلز... ساتھ کافی کا مگ۔ جس سے وہ وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہا تھا۔ جبکہ اس کی نگاہیں لیپ ٹاپ اسکرین پہ جمی تھیں۔ وہ کافی سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ جینز پہ بٹنوں والی شرٹ جس کی آستینیں پیچھے موڑ رکھی تھیں۔ اسکرین پہ جمی آنکھیں گہری بھوری اور پرکشش تھیں۔ رنگت بہت صاف اور نقوش کافی ہینڈسم... بال پیچھے کی طرف برش کر رکھے تھے۔ سامنے سے دیکھو تو سیدھے لگتے۔ پیچھے سے دیکھو تو گھنگھریالے تھے۔ بالکل زمر جیسے اس کی مجموعی شخصیت ذہن پہ ایک صاف ستھرا' خوشگوار سا تاثر چھوڑتی تھی۔

لیپ ٹاپ کی طرف دیکھتے ہوئے وہ گاہے بگاہے ایک نظر ان فونز پر بھی ڈال لیتا۔ قریب سے گزرتا ویٹر بھی ان ہی فونز کو دیکھ رہا تھا۔

"سعدی بھائی؟" ویٹر نے رک کر اسے مخاطب کیا۔

"ہوں؟" وہ مصروف سا پڑھتا رہا۔

"اس موبائل کا مالک ابھی تک نہیں آیا؟"

"اس کے ابو کو اطلاع تو کر دی ہے' آجائے گا۔" وہ پڑھتے پڑھتے نچلا لب دبائے بولا۔ اس کی آواز بھاری اور صاف تھی۔ اردو کا لہجہ کسی بھی علاقائی زبان کے اثر میں نہیں تھا۔

"بڑا کوئی لاپروا لڑکا تھا' اتنا قیمتی موبائل میز پہ چھوڑ گیا۔ آپ نہ دیکھتے تو کوئی چرا کر لے جا چکا ہوتا۔"

سعدی کے لبوں پہ ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ گردن ہلائے بغیر صرف نگاہیں اٹھا کر ویٹر کو دیکھا۔

"کسٹمر تو اس کے بعد آئے ہی نہیں' میں نہ ہوتا' تب بھی تم دونوں پھر تو رہے ہو۔ پھر کون چرا کر لے جاتا؟"

ویٹر جھینپ گیا۔ "مطلب... گم سکتا تھا... گر سکتا تھا۔ شکر آپ نے دیکھ لیا۔ میڈم کی طرح آپ بھی بہت دیانت دار ہیں بھائی۔"

"تھوڑا سا مکھن' کریم سوپ کے لیے بچا کر رکھو جنید!" ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نرم سی تنبیہہ کرتا وہ اب کچھ ٹائپ کر رہا تھا۔ جنید گڑبڑا کر وہاں سے کھسک گیا۔

☼ ☼ ☼

دفعتاً" اس نے موبائل اٹھایا اور کال ملائی۔ یہ اس کا اپنا موبائل تھا۔

"سعدی یوسف بات کر رہا ہوں' تھرکول سے۔ جی... جی..." اس نے رک کر سنا' پھر اثبات میں سر ہلا کر بولا۔

"جی میں نے وہ رپورٹ دیکھ لی ہے' مگر جو چیز میں نے آپ سے مانگی تھی وہ مکمل نہیں ہے۔ میں آپ کو اپنی ڈیمانڈ لکھ کر میل کر رہا ہوں۔ اگلے ہفتے' ہمیں فیلڈ پہ جانا ہے' تب تک..." وہ دھیمے مگر قطعی لہجے میں چند منٹ بات کرتا رہا تھا۔ اتنے میں باہر سے پھولوں والا پٹھان لڑکا آکر اس کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں... گل خان... کیسے ہو؟" فون بند کر کے اس نے پھر سے ٹائپ کرتے ہوئے اس کو مخاطب کیا۔

"یار سعدی بھائی! تمہارے شہر کا لوگ بڑا خراب ہے۔" بڑے ہی بگڑے موڈ میں کہتے ہوئے ٹانگ پہ ٹانگ رکھی اور ناک سے مکھی اڑائی۔

"اچھا... اب کیا کر دیا ہے میرے شہر کے لوگوں نے؟"

"وہ جو سڑک کے دوسری طرف بیٹھا ہے نا۔" اشارے پہ سعدی نے اس طرف دیکھا۔ جہاں دور پھولوں کا ایک اور اسٹال لگا تھا۔ جس کو گل خان سے ذرا بڑا بچہ چلا رہا تھا۔

"وہ خانہ خراب کا بچہ ہمارا پھول چرانے کے پیچھے ہوتا ہے۔"

"اچھا۔ تم اسی لیے یہاں آکر بیٹھ گئے ہو' تاکہ اسے

چرانے میں مشکل نہ ہو؟" سعدی نے سمجھ کر اثبات میں سرہلایا۔

"یار سعدی بھائی! مذاق نہ کیا کرو ہمارے ساتھ' وہ ہماری نظر کے نشانے پہ ہے۔" پھر آگے ہو کر بولا۔

"بھائی۔۔۔ تمہارا نام سعد ہے نا کیا؟ مطلب پیار سے سعدی کہتے ہیں؟"

"نہیں۔۔۔ مجھے غصے سے بھی سب سعدی ہی کہتے ہیں۔ سعد نہیں ہے یہ۔ سعدی ہی ہے۔ شیخ سعدی سے۔" وہ بچے کو دیکھے بغیر کام کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تمہارا ابو کیسا ہے؟ صبح نماز پہ نہیں تھا۔"

"بس اب بابا ہماری طرح تھوڑی ہے کہ پہلی اذان پہ اٹھ جائے۔" اس نے گردن اکڑا کر کہا۔

"ہاں اور پھر مسجد میں آکر سجدے میں سو جائے۔ دیکھ رہا تھا میں تمہیں آج۔۔۔"

گل خان برا سا منہ بنا کر سیدھا ہوا۔ "یار! تمہارا ایک آنکھ پیچھے بھی لگا ہوا ہے۔ کبھی تو معاف کر دیا کرو۔ تم اتنا لمبا سورت پڑھتا ہے' ہمیں نیند آجاتا ہے۔" پھر کچھ یاد آنے پہ تاثرات بدلے۔ دلچسپی سے مزید آگے کو ہوا۔ "بھائی! تم نے اتنا اچھا قرآن پڑھنا کدھر سے سیکھا؟"

"میرے اسکول کے ایک قاری۔۔۔" وہ بتاتے بتاتے رکا۔ جیسے کچھ یاد آیا۔ سر اٹھا کر جنید کو پکارا۔ "اسکول کا آرڈر تیار ہو گیا؟" ساتھ ہی وال کلاک دیکھا۔

"کون سا آرڈر بھائی؟" جنید' سفیان دونوں بھاگے آئے۔

سعدی نے اچنبھے سے دونوں کو دیکھا۔ "کیا مطلب۔۔۔ فہیم نے نہیں بتایا؟ کل میں ادھر تھا جب فون آیا تھا۔ پکنک کا آرڈر تھا۔ فہیم کو بتا کر گیا تھا میں۔" وہ کہتے ہی کھڑا ہوا تھا' جیسے الارم سا بج رہا ہو کہیں۔

"فہیم تو بیمار تھا۔ آج آیا ہی نہیں ہے۔ اس نے تو کوئی ذکر نہیں کیا بھائی۔"

"یا اللہ۔۔۔ دو گھنٹے تک ڈلیوری کرنی ہے اور یہاں کام بھی نہیں شروع ہوا۔" وہ اٹھتے ہوئے چیزیں سمیٹنے لگا۔ اس کا ارادہ بھانپ کر دونوں بوکھلا گئے۔

"بھائی! آپ رہنے دیں' ہم کرلیں گے۔"

سعدی نے سنجیدگی سے جنید کو دیکھا۔

"ان کی کال کل میں نے اٹھائی تھی۔ آرڈر میں نے نوٹ کیا تھا۔ جب انہوں نے نام پوچھا تو میں نے سعدی یوسف بتایا تھا۔ میں نے ان کو زبان دی ہے کہ آج سہ پہر تک آرڈر تیار ہو گا تو اب وہ میرے بھروسے آئیں گے۔ سو آرڈر بھی مجھے ہی پورا کرنا ہے۔" قطعیت سے کہتا وہ لیپ ٹاپ بند کر کے میز کے پیچھے سے نکلا۔ گل خان نے اس کا کپ اٹھا کر کافی چکھی۔ سعدی کے خود کو دیکھنے پہ مسکرایا۔

"ہم پہ تو پرائے گھر کا پانی بھی حرام ہے۔ مگر تم تو اپنا بھائی ہے۔" دو گھونٹ اور بھرے۔ سعدی اس کا کندھا تھپک کر ریسپشن تک آیا۔ ایک دم گل خان "اوہ خانہ خراب" کہتا کپ چھوڑ کر بھاگا۔ ان تینوں نے مڑ کر دیکھا۔

سڑک پہ مقابل والا لڑکا پھول اٹھائے بھاگ رہا تھا۔ گل خان اس کے پیچھے لپک رہا تھا۔ ایک سفید گاڑی قریب آتی دکھائی دے رہی تھی۔

سعدی واپس رجسٹر کی طرف متوجہ ہوا' مگر ذہن میں جیسے کچھ اٹکا۔ سفید گاڑی؟ اس نے تیزی سے گردن موڑی۔

وہ سفید رولز رائس تھی۔ پاکستان میں کچھ عرصہ قبل تک اس طرح کی صرف دو گاڑیاں تھیں۔ پہلی ایک پرائیویٹ نیوز چینل کے مالک کے پاس اور دوسری ایک ہاؤسنگ اسکیم کے ارب پتی مالک کی ملکیت تھی۔ مگر اب تیسری بھی دکھائی دیتی تھی اور اس کے مالک کو تو وہ لاکھوں میں پہچانتا تھا۔

"نوشیرواں کاردار!" وہ بے اختیار گلاس ڈور کے قریب آکھڑا ہوا۔

"تو ٹھہر تو سہی۔۔۔" دونوں لڑکے آگے پیچھے بھاگتے سڑک پہ آئے۔ رولز رائس نے ایک دم بریک لگائے۔ ٹائر چرچرائے' دوسرا تو بھاگ گیا تھا' گل خان

دبک کر سر پہ ہاتھ رکھے سڑک پہ بیٹھ گیا۔

گاڑی کا دروازہ کھول کر سرخ چہرہ لیے نوشیرواں تیزی سے باہر نکلا۔

"اندھے۔۔۔ ایڈیٹ۔۔۔ تمہارے باپ کی سڑک ہے؟ چلنے کی تمیز نہیں ہے۔ ابھی میری گاڑی کہیں لگ جاتی تو کیسے نقصان پورا کرتے؟ اپنے ماں' باپ کو بیچ کر؟" اس کا جیسے بس نہیں چل رہا تھا۔ لڑکے کو دو تھپڑ لگا دے۔ ڈریس پینٹ' شرٹ' اوپر بنا آستین کے ویسٹ میں ملبوس' وہ آفس کی تیاری میں لگ رہا تھا۔

سعدی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے قدم قدم چلتا باہر آیا اور ریسٹورنٹ کا سبزہ عبور کر کے سڑک کے کنارے آرکا۔

"اور اگر تمہاری گاڑی سے اس بچے کو چوٹ لگ جاتی تو تم کس کو بیچ کر نقصان پورا کرتے؟"

نوشیرواں جو بگڑے تیوروں کے ساتھ گاڑی کی طرف پلٹ رہا تھا۔ بے اختیار پلٹا۔ سعدی کو دیکھ کر غصہ جیسے کم ہوا' مگر آنکھوں میں تپش اور کینہ بڑھ گیا۔ گل خان لپک کر سعدی کے پیچھے آکھڑا ہوا۔

"اچھا۔۔۔ میں سمجھ گیا۔" نوشیرواں نے طیش کو دبا کر طنزیہ مسکرانے کی کوشش کی۔ "یہ شاید تمہارا مین بزنس ہے۔ ان آوارہ لڑکوں کو چوٹیں لگواؤ اور پھر گاڑیوں کے مالکان سے رقم وصول کرو۔ گڈ گڈ۔ کیا یہ کرنے سے ریسٹورنٹ کا کرایہ پورا ہو جاتا ہے؟"

سعدی آنکھیں سکیڑے' ٹھنڈے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھتا رہا۔

"میرا اصل بزنس تم اچھی طرح جانتے ہو۔ اگر تمہارا موڈ خراب نہ ہو تو میں دہرا دوں کہ میں کس پروجیکٹ پہ کام کر رہا ہوں؟"

نوشیرواں کے چہرے پہ پھر سے سرخی بڑھنے لگی۔ لب بھینچ کر بمشکل ضبط کیا۔

"میرے پاس اتنا وقت نہیں ہے۔ سعدی! کہ میں تمہارے آفس کی روداد سن سکوں۔ میرے پاس میری ایک کمپنی ہے جہاں جانے کے لیے میں اس تمہارے اسسٹنٹ کی وجہ سے لیٹ ہو رہا ہوں۔" اس نے حقارت سے ابرو سے بچے کی طرف اشارہ کیا جو سعدی کے بازو کی اوٹ سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"اچھا۔ تم آفس جا رہے ہو۔ ویری گڈ۔۔۔ مگر میرا جغرافیہ اگر درست ہے تو میرا ریسٹورنٹ تمہارے گھر سے آفس کے راستے میں نہیں پڑتا۔ ان فیکٹ تمہارے کسی راستے میں نہیں پڑتا۔ سو میری چھٹی حس مجھے یہ بتاتی ہے کہ یقیناً" تمہارے ارد گرد آج کسی حوالے سے میرا ذکر ہوا ہو گا اور تم حسب معمول غصے میں بے قابو ہو کر مجھے چیک کرنے آئے ہو۔ سو۔۔۔ اب تم دیکھ ہی چکے ہو کہ میں وہی سعدی ہوں۔"

کندھے ذرا سے اچکا کر سعدی نے بہت آرام سے کہا۔ ویٹرز' جنید' سفیان' گل خان کا باپ اور ایک دو راہ گیر اب جمع ہوئے کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ضبط کی شدت سے نوشیرواں کی آنکھیں سرخ ہونے لگیں۔

"میں اچھی طرح جانتا ہوں تم کون ہو۔"

"میں بھی جانتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ میں ایک یتیمی میں بڑا ہونے والا لوئر مڈل کلاس لڑکا ہوں۔ میری ماں یہ چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہے اور میرا گھر اس سے بھی چھوٹا ہے۔ میں انگلینڈ پڑھنے بھی اسکالر شپ پہ گیا تھا اور میں نے زندگی میں وہ دن بھی دیکھے ہیں' جب پیسے نہ ہونے کے باعث ہمیں چٹنی سے روٹی کھانی پڑتی تھی۔ آج میں ایک کیمیکل انجینئر ہوں۔ ایک سائنس دان اور آج بھی میری تنخواہ بہت زیادہ نہیں ہے۔ اپنے خاندان' اپنے گھر' اپنی مالی حیثیت مجھے کسی چیز کے بارے میں سچ بتانے سے کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ میں سعدی یوسف خان ہوں اور یہاں سب مجھے جانتے ہیں۔ کیا اب تم بھرے مجمع میں اپنا تعارف کروا سکتے ہو؟"

نوشیرواں کا غصہ ٹھنڈا اور آنکھوں کی تپش مزید بھڑک چکی تھی۔ وہ خاموش رہا تو سعدی نے دو قدم پیچھے ہٹتے ہوئے کہا۔

"اگر نہیں۔۔۔ تو بہتر ہے کہ تم اپنی قیمتی کار کو ٹھیک

سے ڈرائیو کرنا سیکھ لو۔۔۔ کیونکہ یہ پہلی دفعہ نہیں ہے۔ جب تم غلط ڈرائیو کر رہے ہو اور اگر تمہارا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے تو پھر گاڑی آگے پیچھے کرلو۔ تاکہ ہمارے کسٹمرز کو تکلیف نہ ہو۔" اسی طرح جیبوں میں ہاتھ ڈالے وہ واپس پلٹ گیا۔ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتا وہ اندر آیا تو باہر نوشیرواں گاڑی میں بیٹھ کر اسے اسٹارٹ کر رہا تھا۔

گل خان بھی اس کے ساتھ اندر آیا تھا اور اب خاصی مضبوطی سے کھڑا تھا۔

"تا تو سعدی بھائی۔۔۔ کتنے کی ہوگی اس کی ڈبا گاڑی جس پہ یہ اتنا اکڑ رہا تھا؟"

سعدی نے ہلکا سا مسکرا کر اسے دیکھا۔ "زیادہ نہیں۔۔۔ بس چار۔۔۔ ساڑھے چار کروڑ روپے کی۔"

گل خان کا منہ مارے شاک کے کھل گیا۔ سعدی آستینیں دوبارہ فولڈ کرتا کاؤنٹر تک آیا۔ مگر اس کا فون بج اٹھا۔ نمبر دیکھ کر اس نے تیزی سے کال لی۔ ایڈووکیٹ خلجی کالنگ۔

"جی خلجی بھائی۔۔۔ کیا بنا؟ سماعت ہوگئی؟" پوچھتے ہوئے اس کے چہرے پہ لمحے بھر کو ڈر اور امید کا ملا جلا تاثر ابھرا' پھر جواب سن کر وہ تاثر مسکراہٹ میں ڈھلتا گیا۔

"ریئلی۔۔۔! ماموں بری ہوگئے؟ ہر چارج سے؟ گریٹ!" فون رکھ کر اس نے فوراً" باہر دیکھا۔ نوشیرواں کی کار جا چکی تھی۔ اس کی دھول تک وہاں نہیں تھی۔

سعدی نے پرعزم مسکراہٹ کے ساتھ دور آسمان کو دیکھا۔

"یہ خبر سن کر آپ کی شکل کیسی ہوگی' میں دیکھنا چاہتا ہوں ہاشم بھائی۔۔۔!" اور پھر عملے کی طرف مڑ گیا۔ "کم آن بوائز۔۔۔ ہمارے پاس ابھی دو گھنٹے ہیں۔"

☆ ☆ ☆

ہاشم کو جب یہ خبر ملی تو وہ کوریڈور میں کھڑا تھا۔ اس نے کمال ضبط سے اپنے کڑوے ہوتے تاثرات چھپا لیے۔ وہ ابھی اتنا مصروف تھا کہ ایک دم ری ایکٹ نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے خود سے عہد کیا کہ اگر اس میں سعدی کا ہاتھ ہے۔ تو اسے حساب دینا ہوگا اور توجہ زمر کی طرف مبذول کر دی جو سامنے سے فائل کے صفحے سرسری انداز میں پلٹتی' تیز تیز اس طرف آرہی تھی۔ ایک معمر خاتون اور ایک دوپٹا اوڑھے نوجوان لڑکی بھی اس کے ہمراہ تھی۔ ہاشم کوریڈور کے سرے پہ اسے ملا تھا۔ زمر اس کے سلام کا مختصر جواب دے کر آگے ہولی۔ وہ بنا کچھ کہے ساتھ چلنے لگا۔ ایک کریو کٹ والا نوجوان اس کے بائیں جانب تھا۔

کورٹ روم تک کی یہ واک خاموشی سے کٹ جاتی۔ اگر ہاشم کی کسی بات کے جواب میں وہ نوجوان بگڑے تاثرات سے یہ نہ کہتا۔

"نہیں میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں رقم ادا کر رہا ہوں۔ ورنہ کورٹ میں یہ مجھے Rapist (عزت لوٹنے والا) ثابت نہیں کر سکتے۔" ساتھ ہی دبے دبے غصے سے اس لڑکی کو دیکھا۔

ہاشم نے نظروں سے تنبیہہ کی' مگر زمر کے قدم ایک دم رکے تھے۔ وہ گھوم کر اس کے سامنے آئی اور سنجیدہ مگر تیکھی نگاہوں سے اس کو دیکھا۔

"آپ کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے آپ کو سیٹل منٹ دی ہے۔ ورنہ اگر ہم ٹرائل پہ جاتے تو آپ کو معلوم ہے کیا ہوتا؟"

ہاشم نے ابرو اٹھا کر لڑکے کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ مگر وہ جو پہلے ہی بہت برے موڈ میں تھا۔ اکھڑا۔۔۔ اکھڑا۔۔۔ سا بولا۔

"میں باعزت بری ہو جاتا اور مجھے یہ پیسے نہ دینے پڑتے اور میری جاب۔۔۔"

مدعی لڑکی کی ماں تلخی سے کچھ بڑبڑائی تھی۔ ہاشم نے لڑکے کو ہاتھ اٹھا کر خاموش کیا اور زمر کو دیکھ کر سنجیدگی سے بولا۔

"میڈم پراسیکیوٹر۔۔۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ ٹرائل پہ جانے کے بعد کیا ہوگا۔"

الفاظ کی سنجیدگی کے باوجود ہاشم کی مسکراہٹ برقرار

تھی۔ "بارہ سال۔۔۔ کم سے کم بھی بارہ سال کیس عدالت میں چلے گا اور کچھ ثابت نہیں ہوگا۔ ثنا نے فرید کو خود وہاں بلایا تھا۔ میرے پاس ان کے ٹیکسٹ میسجز کا ریکارڈ ہے اور اس بات سے ثناء انکار نہیں کر رہی کہ ان کا چھوٹا موٹا سہی مگر افیئر تھا تو۔ نہ صرف میں عدالت میں اس افیئر کے ثبوت پیش کروں گا۔ بلکہ دس ایسے لوگوں کو بھی لاؤں گا جن کو اس لڑکی نے زندگی میں کبھی دیکھا بھی نہیں ہوگا اور وہ قرآن پہ ہاتھ رکھ کر کہیں گے کہ یہ ان کے ساتھ بھی یہی کر چکی ہے۔ میں اس کو عدالت میں پیشہ ور عورت ثابت کرکے دکھاؤں گا۔ اس کا خاندان اور محلہ اس کو ڈس اون کردے گا۔ کوئی اس سے شادی نہیں کرے گا اور بارہ سال بعد آخری پیشی پہ جب یہ ہار جائے گی تو اس کے پاس نہ شوہر ہوگا اور نہ بچے۔ اس لیے آپ کو واقعی ہمارا شکر گزار ہونا چاہیے کہ ہم نے آپ کو سیٹل منٹ دی ہے۔"

فرید نے فخریہ مسکرا کر ہاشم کو دیکھا۔ ثناء کی ماں لبوں میں کوئی بددعا بڑبڑائی' ثنا کے چہرے کا رنگ بدل چکا تھا۔ زمر ہلکی سی مسکرائی اور نفی میں سر ہلایا۔

"اصل میں ہوگا یہ ہاشم! کہ جب کیس ٹرائل پہ جائے گا تو میں اسے ٹرائل تک نہیں رکھوں گی۔ پہلے مہینے میں ہی میں پوری اسٹوری میڈیا پہ لیک کردوں گی۔ یہ شام کے اخبار کی سرخی جتنا کیس نو بجے کی خبروں میں آئے گا۔ آٹھ اور دس بجے والے ٹاک شوز اس پہ بات کریں گے۔ ثنا کو مارننگ شوز پہ بلایا جائے گا جہاں پہ شاؤنسٹ قسم کی خواتین کے ساتھ بیٹھ کر ظلم کی پوری داستان سنائے گی۔ این جی اوز اس کے لیے واک کریں گی۔ یہ انٹرنیشنل سیمینارز پہ مدعو ہوگی۔ اینٹی آرمی طبقہ اس کو فرید کی ثنا کے ساتھ نہیں' بلکہ ایک جرنیل کے بیٹے کی ایک مظلوم لڑکی کے ساتھ زیادتی بنادے گا اور تمہارا۔" فرید کی طرف رخ کرتے ہوئے اس نے بات جاری رکھی "سوشل سرکل تمہیں آؤٹ کردے گا۔ تمہارا باس تمہاری رپورٹ پہ مشکوک الفاظ لکھے گا۔ کوئی بھی لڑکی تم سے شادی کرنے سے پہلے سو دفعہ سوچے گی' کیونکہ قاتل کو لوگ قبول کرلیتے ہیں' بدکار کو نہیں۔ میں ثنا کو ایک اسٹار بنادوں گی اور بارہ سال بعد تم کیس جیت بھی جاؤ تو تم بہت کچھ ہار چکے ہوگے اور وہ ہارے ہوئے رشتے تمہیں یہ تمہارا پچاس ہزار کے ہیئر کٹ اور ڈھائی لاکھ کے سوٹ پہنے کھڑا وکیل واپس نہیں لاکردے گا۔ سو اگر میں تمہاری جگہ ہوتی تو پراسیکیوٹر کے سامنے اپنے منہ سے نکلنے والے اگلے الفاظ کو روک لیتی۔"

مسکراہٹ معدوم تھی اور ایک کٹیلی نظر ان دونوں پہ ڈال کر وہ آگے بڑھ گئی۔ فرید کا چہرہ اب ثنا سے مختلف نہ تھا۔ ہاشم پہ البتہ کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ وہ کندھے ذرا سے اچکا کر اس کے پیچھے ہولیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے پیپر مکمل کرلیا تھا اور ابھی امتحانی دورانیہ ختم ہونے میں پندرہ منٹ تھے۔ تب تک ممتحن ٹیچرز نے اسے وہیں بیٹھے رہنے کو کہا تھا۔ حنین پرچہ الٹا رکھ کر بیٹھی لکھ لکھ کر دکھتی انگلیوں' جن پہ کہیں کہیں نیلی انک لگ گئی تھی کو سہلا رہی تھی۔ اسے پیپر کرکے پڑھنے کی عادت نہیں تھی اور بعد میں باہر لڑکیوں کے گروپ میں کھڑے ہو کر ایک ایک جواب ملانے سے تو وہ بھاگتی تھی۔ آدھے جواب تو وہیں غلط نکل آتے تھے۔

"بس تین پرچے مزید اور پھر ای اے ختم۔ شکر۔۔۔" اس نے خود کو تسلی دی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ لڑکیاں سر جھکائے دھڑا دھڑ لکھے جارہی تھیں۔ امتحانی عملے کی خواتین کڑی نظروں سے دیکھتی' ٹہل رہی تھیں۔ حنین کی نظریں روشن دان تک گئیں۔ تین' تین' تین' ایک' ٹوٹل ہوئے دس۔۔۔ وہ اسی طرح کھڑکیاں' دروازے' سڑک کنارے درخت گنا کرتی تھی اور وہ بھی دس' دس کے گروپ بنا کر پھر سے شروع کرتی۔

سارے دروازے گن کر اس نے ایک خشک سیاہی والا قلم نکالا اور اس کی نب کو کرسی کے بازو پہ رگڑ کر ان دیکھے لفظ لکھنے لگی۔ وہ عموماً "پھول بناتی تھی یا تکون اور پھر اپنا نام لکھنا شروع ہوجاتی۔ Yousuf Haneen حنین یوسف۔۔۔ حنین۔۔۔ حنین۔۔۔ اور لاشعوری طور پہ اس کے بنا سیاہی کے قلم نے لکھنا شروع کردیا۔

"ہاشم کاردار۔۔۔ ہاشم۔۔۔ ہاشم۔"

وہ ایک دم چونکی۔۔۔ پھر قدرے گھبراہٹ سے ادھر ادھر دیکھا۔ چہرے کا رنگ تھوڑا سرخ ہوا۔ بے چینی سے ماتھے پہ گرے بال ٹھیک کیے۔ جو بات کبھی کسی سے کہی نہ ہو' وہ اچانک باہر نکل آئے' جیسے بھرا ہو گلاس چھلک جاتا ہے' تو انسان اپنے ہی ہاتھوں سے ڈرنے لگتا ہے۔ اس نے قلم رکھ دیا۔ پھر آنکھیں بند کیں۔

نظروں کے سامنے وہ چند لمحات' چند گھڑیاں گزریں۔ جب اس نے کبھی ہاشم کو دیکھا تھا یا اس سے ملی تھی۔ خاندانی دعوتیں۔۔۔ تہوار۔۔۔ وہ ان کی ماں کے سوتیلے بھائی کا فرسٹ کزن تھا۔ ہر وقت مسکراتا ہوا۔۔۔ بہت شاندار اور متاثر کن۔۔۔ مگر ایک دور کا رشتہ دار۔۔۔ اس کے قریب کھڑے ہو کر اس کو دیکھنا ایسے تھا جیسے بندہ ایفل ٹاور کے نیچے ہجوم میں کھڑا ہو۔

مگر اب ایفل ٹاور تک گئے بھی کتنا عرصہ ہوگیا تھا۔ خاندان میں دور۔۔۔ دور تک کوئی ایسی تقریب ہی نہیں ہوئی جس میں اس کی ایک جھلک بھی نظر آجاتی۔ پتا نہیں کب دوبارہ وہ اسے دیکھے گی؟

اس نے بے دلی سے سوچا اور خشک نب سے پھر سے تکونیں بنانے لگی۔۔۔ پھر پھول۔۔۔ پھر حنین۔۔۔ اور پھر سے ہاشم۔۔۔

☼ ☼ ☼

ہاشم نے دروازے پر دستک دی اور پھر ہینڈل پکڑ کر دھکیلا۔

اندر آفس میں پرسکون خاموشی تھی۔ وہ اپنی کرسی پہ بیٹھی' تھرماس سے پیالی میں چائے انڈیل رہی تھی۔ قریب ہی فائلز اور موٹی سیاہ جلد والی کتابیں کھلی رکھی تھیں۔ زمر نے بس ایک نظر اسے دیکھا' پھر خاموشی سے چینی دان اٹھایا۔

"اونہوں۔۔۔ مجھے پھیکی چائے پسند ہے۔" ہاشم نے مسکرا کر کہتے منع کیا۔۔۔ دروازہ بند کرکے اندر آیا۔۔۔ کرسی کھینچی۔۔۔ ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا۔۔۔ کوٹ کا بٹن کھولا اور اس کے آگے سے پیالی اٹھا کر لبوں سے لگائی۔

زمر نے ابرو اچکا کر چینی دان واپس رکھ دیا اور فائل کے صفحے پلٹنے لگی۔

۔۔۔ تین گھونٹ بھر کر ہاشم نے پیالی میز پہ رکھی۔۔۔ پھر خوش گوار مسکراہٹ سے اس کو دیکھ کر بولا۔

"سو۔۔۔ ہم اب ٹھیک ہیں آپس میں؟"

"آپ کو کیا لگتا ہے؟" وہ فائل پہ چہرہ جھکائے سنجیدگی سے بولی۔

"شاید نہیں۔۔۔ کیونکہ جس طرح ابھی باہر آپ میرے ہیئر کٹ اور سوٹ کو درمیان میں لائیں۔۔۔" ہاشم نے ذرا سے شانے اچکائے۔ "اس پہ میں صرف اتنا کہوں گا کہ آپ ایک منتقم مزاج خاتون ہیں۔"

اس نے نگاہیں اٹھا کر سنجیدگی سے ہاشم کو دیکھا۔ "اگر اگلی دفعہ آپ نے کسی کو یوں میرے سامنے ہراساں کرنے کی کوشش کی۔۔۔ تو ہم اس کے بعد ٹھیک نہیں ہوں گے' از دیٹ کلیئر؟"

"کرسٹل!" ہاشم نے پیالی سے دوبارہ گھونٹ بھرتے ہوئے مسکرا کر اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے گھنگھریالے بال کیچر میں آدھے بندھے تھے۔ ناک کی لونگ چمک رہی تھی اور سکیڑی ہوئی آنکھوں میں ٹھنڈی سی بے رحمی تھی۔

"میں اپنی جاب کررہا تھا' پھر بھی معافی مانگتا ہوں۔"

"آپ کو مانگنی بھی چاہیے۔" وہ پھر سے فائل کی طرف متوجہ ہوگئی۔ چند لمحے کے لیے ہاشم کچھ نہ بولا تو زمر نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"مجھے یقین ہے آپ صرف سوری کرنے نہیں آئے۔ آپ کو کوئی فیور چاہیے۔" فائل بند کرکے وہ پیچھے ہو کر بیٹھی۔ "کہیے' میں سن رہی ہوں۔"

ہاشم نے مسکرا کر ایک پیپر بیگ سامنے رکھا۔ زمر نے اسے کھولا۔ اندر سے ایک کارڈ نکلا۔

"کیا آپ دوبارہ شادی کر رہے ہیں؟" اسی سرد انداز میں مسکرا کر زمر نے کارڈ سامنے کیا' وہ ہلکا سا ہنسا۔

"اونہوں۔۔۔ میری بیٹی' سونیا کی چھٹی سالگرہ ہے اور آپ انوائیٹڈ ہیں۔"

زمر نے کارڈ دیکھا۔ وہ مستطیل ڈبے میں رکھا تھا۔ کسی شیلڈ کی طرح۔ سب سیاہ تھا اور اس پہ سنہرے رنگ سے تفصیلات لکھی تھیں اور سامنے سنہرے ربن سے وہ بناڈھکن کا ڈبہ بند ہوتا تھا۔ اندر ایک چھوٹا آر ایس وی پی کارڈ بھی رکھا تھا۔ جس کی ایک سطر میں شرکت کرنے کی ہامی اور دوسرے میں معذرت تھی اور دونوں کے آگے خالی خانے بنے تھے۔

"تھینک یو ہاشم۔۔۔ میں کوشش کروں گی' وعدہ نہیں کرتی' مگر انویٹیشن اور فیور میں فرق ہوتا ہے۔" اس نے کارڈ بے نیازی سے میز پہ ڈال کر اسی ٹھنڈے پُرسکون انداز میں پوچھا۔

ہاشم نے ابرو سے پیپر بیگ کی طرف اشارہ کیا۔ زمر نے دیکھا۔ اس میں ایک اور کارڈ بھی تھا۔ اس نے وہ نکالا۔ اس پہ درج تھا۔ "سعدی یوسف اینڈ فیملی۔"

ہاشم نے غور سے زمر کے بدلتے تاثرات دیکھے۔ اس کی آنکھوں میں تکلیف ابھری' چہرے پہ مضطرب سا احساس نمایاں ہوا۔ پھر وہی خاموشی چھا گئی۔ اس نے بے تاثر آنکھوں سے ہاشم کو سوالیہ انداز میں دیکھا۔

"آپ اسے کوریئر کر دیں یا ہینڈ ڈلیور۔"

"نہ وہ میرے کوریئر کرنے سے آئے گا' نہ خود بلانے سے۔ مگر آپ کہیں گی تو وہ آئے گا۔"

زمر نے دھیرے سے شانے اچکائے۔ "میں اسے بھجوا دوں گی۔ کہلوا بھی دوں گی' مگر وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ آپ کسی کو مجبور تو نہیں کر سکتے نا۔" وہ پہلے جیسے انداز میں بول رہی تھی۔ مگر سمندر میں پتھر پھینکنے کے بعد کے بنتے دائرے ابھی تک پھیل رہے تھے۔

"نہ میں آج پیدا ہوا ہوں' نہ آپ۔ ہم دونوں جانتے ہیں کہ وہ آپ کا کہا نہیں ٹالے گا۔" ہاشم ذرا آگے ہوا۔ اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی تھی۔ "سعدی کو میری پارٹی میں ہونا چاہیے۔ کسی بھی طرح۔ آپ اسے وہاں لائیں گی۔"

زمر نے جواب نہیں دیا۔ وہ بس کارڈز کو دیکھتی رہی۔ ہاشم کپ رکھ کر واپس پیچھے ہوا اور اس کے چہرے کو مسکرا کر پڑھتے ہوئے نرمی سے پوچھا۔ "وہ کیا کر رہا ہے کل؟"

"ہوں۔۔۔ جاب۔" وہ کسی سوچ میں تھی۔

ہاشم خاموش رہا۔ چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ اس نے پھر بھی آخری گھونٹ اندر انڈیلا اور ذرا آواز سے پیالی رکھی۔

زمر نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور ہلکے سے اثبات میں سر ہلایا۔ "آپ ابھی تک یہیں ہیں' یعنی آپ کو کوئی اور فیور بھی چاہیے۔"

ہاشم نے مسکرا کر سر کو خم دیا اور بولنے کے لیے لب کھولے کہ۔۔۔۔

"میرا جواب انکار ہے۔"

وہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

"ابھی میں نے کچھ کہا ہی نہیں۔"

"میں جانتی ہوں' آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" دائرے اب پھیل پھیل کر مٹ چکے تھے اور وہ سنبھل چکی تھی۔ "آپ کو سرکار بنام عبدالغفور حیدر میں سیٹل منٹ چاہیے۔ مگر نہیں۔۔۔ ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں۔"

ہاشم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اس نے واقعی حیرت سے ابرو اٹھائی۔ "لیکن یہ ایک ایکسیڈنٹ تھا۔ غلطی ڈرائیور کی نہیں تھی۔ پھر بھی وہ دیت دینے کو تیار ہے۔"

"وہ ایک سولہ سال کی لڑکی تھی جو اس ایکسیڈنٹ میں مر گئی ہے ہاشم' ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں۔"

"اگر لڑکی کا خاندان دیت لینے پہ راضی ہو گیا تب پراسیکیوٹر کا کیا خیال ہو گا؟"

"تب پراسیکیوٹر اپنی جیب سے دیت جتنی رقم ادا کر کے متاثرہ خاندان کو مجبور کر دے گا کہ وہ ٹرائل پہ جائیں۔"

"اوہ۔۔۔ آپ خود یہ رقم ادا کریں گی ان کو؟" اس نے مصنوعی حیرت سے ابرو اٹھائی۔

زمر پہلی دفعہ پورے دل سے مسکرائی۔

"میں نے کہا' ہم ٹرائل پہ جا رہے ہیں' میں نہیں۔ سوری مگر آپ کو شاید معلوم نہیں' یہ کیس میں پلیڈ نہیں کر رہی' یہ پراسیکیوٹر بصیرت کا کیس ہے۔"

وہ ایک لمحے کے لیے بالکل خاموش رہ گیا۔ بھنویں سیکڑ کر اس نے واقعتاً" اچنبھے سے زمر کو دیکھا اور پھر سمجھتے ہوئے سر ہلایا۔

"پچاس ہزار کا پینٹ کٹ اور ڈھائی لاکھ کا سوٹ۔ آپ واقعی ایک منتقم مزاج خاتون ہیں۔" بظاہر مسکراتے ہوئے وہ کہہ رہا تھا۔ "آپ نے جان بوجھ کر یہ کیس انہیں دے دیا' کیونکہ جب انہیں معلوم ہو گا کہ ڈیفنس میں ہاشم کاردار ہے تو وہ کبھی اسے سیٹل نہیں کریں گے۔ گڈ' ویری گڈ۔" زمر نے مسکرا کر ابرو اچکائے۔

"میں معاف نہیں کیا کرتی ہاشم۔ یو نو دیٹ۔ کیا میں اب بھی آپ کی پارٹی میں انوائیٹڈ ہوں؟"

"بالکل اور آپ سعدی کو بھی لائیں گی۔ ہمارے ذاتی تعلقات اس سب کی۔۔۔ وجہ سے متاثر نہیں ہو سکتے۔" وہ مسکرا کر اٹھا۔ کوٹ کا بٹن بند کیا۔ بار بار بجتا موبائل سائیلنٹ کیا۔ پھر اسی رسان سے بولا۔ "میں اس کیس کو سیٹل کروا لوں گا' ہاشم سب سنبھال لیتا ہے' یو نو دیٹ۔ باوجود اس کے کہ بصیرت صاحب کے پاس آج کے بعد بہت وقت ہو گا۔" اس نے سمندر میں دوسرا پتھر پھینکا۔

"کیوں؟ آج کیا ہوا ہے؟" اس نے دوبارہ سے فائلز کھول لیں۔

"ان کے کیس کا فیصلہ جو آ گیا ہے۔"

"کس کیس کا؟" وہ اب ایک سطر کو انڈر لائن کر رہی تھی۔ ہاشم نے جواب نہیں دیا۔ زمر نے دوسری سطر انڈر لائن کی' پھر ایک دم اس نے چونک کر سر اٹھایا۔

"کس۔۔۔ کس کیس کا؟" اب کے سوال کی نوعیت مختلف تھی۔ آنکھوں میں بے پناہ شاک اور اضطراب تھا اور چہرہ سفید پڑتا جا رہا تھا۔ جیسے سنہرے صحرا میں اچانک سے برف باری ہو جائے۔

"اوہ۔۔۔ آپ کو نہیں معلوم تھا؟ مجھے بھی ابھی پتا چلا۔" ہاشم کو جیسے بہت افسوس ہوا تھا۔

"کیا فیصلہ آیا؟" اس نے اگلی سانس میں پوچھا۔ وہ جگہ سے بھی نہیں اٹھی۔ گردن اٹھا کر ہاشم کو دیکھتی وہ بالکل ساکن تھی۔

"ناٹ گلٹی۔ ہر الزام سے بری۔" ہاشم نے ہمدردی سے سر جھٹکا۔ "آئی ایم سوری۔" پھر دوبارہ سے بجتے موبائل کی طرف متوجہ ہوتا باہر نکل گیا۔ کوریڈور میں آ کر اس نے تلخ مسکراہٹ کے ساتھ اس کے آفس کے بند دروازے کو دیکھا۔

"میں بھی معاف نہیں کرتا' یو بچ!" اور سر جھٹک کر آگے بڑھ گیا۔

اندر زمر ابھی تک اسی طرح بیٹھی تھی۔ صحرا میں برف باری ہنوز جاری تھی۔

☆ ☆ ☆

ع یہی جنوں کا یہی طوق و دار کا موسم

دوپہر۔۔۔ سہ پہر میں بدل گئی۔ مگر اس جیل کا آہنی گیٹ ویسا ہی تپ رہا تھا۔ باہر نکل کر اس نے سنہری آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے ادھر ادھر کسی کو تلاش کیا اور پھر وہ اسے نظر آ گیا۔ دور گاڑی کے دروازے سے ٹیک لگائے کھڑا سعدی۔ اسے آتا دیکھ کر سعدی بھی مسکراتے ہوئے آگے بڑھا۔ دونوں نے قدم قدم فاصلہ عبور کیا اور آمنے سامنے آئے۔ فارس اپنے بھانجے سے دو انچ لمبا تھا۔

اس نے مصافحہ کے لیے ہاتھ یوں بڑھایا جیسے آرم ریسلنگ کے لیے پنجہ بڑھاتے ہیں۔ سعدی نے جوابی پنجہ اس کے ہاتھ سے ملایا۔ فتح کا نشان' سعدی مسکرا رہا

تھا۔ فارس سنجیدہ تھا۔

"کہاں چلیں؟" کار میں بیٹھ کر پہلا سوال سعدی نے پوچھا۔ "ہمارے گھر یا کاردار زکی طرف؟"

"قبرستان۔۔۔"

سعدی نے ہوں کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کردی۔ فارس نے ایک نظر دونوں کی سیٹوں کے درمیان گیئر کے ساتھ خانے میں رکھے۔ سعدی کے موبائل کو دیکھا اور پھر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

"میں آؤں؟" قبرستان کے سرے پہ گاڑی روک کر سعدی نے پوچھا۔

"مجھے تنہائی کی عادت ہے' وقت لگے گا۔" یہ واضح نہ تھا۔ کہہ کر وہ نکل گیا۔

سعدی خاموشی سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ اس کا موبائل اب خانے میں نہیں پڑا تھا۔

قبرستان میں ان دو قبروں پہ فاتحہ پڑھ کر وہ اٹھ گیا۔ پھر ایک درخت کی اوٹ میں آیا جہاں سے سعدی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا اور اس کے موبائل پہ نمبر ڈائل کیا۔

"ہاں اسٹینی۔۔۔ غازی بول رہا ہوں۔" بات کرتے ہوئے عادتاً" کان کی لو کو دو انگلیوں سے مسل رہا تھا۔ "ہاں میں باہر آگیا ہوں۔ بات سنو دھیان سے۔ مجھے کچھ چیزیں چاہئیں۔ کل شام تک تیار ہوں۔ میری گن' میرا چاقو۔" وہ جدید اسلحے کے چند نام گنوا تا گیا۔ پھر رک کر جیسے اکتاہٹ سے اس کی بات سنی۔

"جو کہا ہے وہ کرکے دو' زیادہ سوال مت کرو۔" کال بند کرکے ریکارڈ مٹایا اور ایک آخری نظر ان دو قبروں پہ ڈالی۔ زرتاشہ فارس غازی' وارث غازی۔

جب واپس آیا تو سعدی ادھر ادھر ہاتھ مارتا کچھ تلاش کررہا تھا۔

"کیا ہوا؟"

"پتا نہیں موبائل کدھر رکھ دیا۔"

"یہ۔۔۔ تمہاری سیٹ کے پیچھے گرا ہے۔" سعدی نے چونک کر دیکھا۔ اس کا موبائل پچھلی نشست کے نیچے گرا تھا۔ جیسے اگلے خانے سے سلپ ہو کر پیچھے گر گیا ہو۔ سعدی نے شکر کرتے ہوئے فون اٹھایا اور گاڑی اسٹارٹ کردی۔

"کیا تمہیں حیرت نہیں ہوئی کہ جج نے مجھے رہا کردیا؟" فارس کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے بولا۔ سعدی نے شانے اچکائے۔

"آپ نے وہ قتل نہیں کیے' میں جانتا ہوں۔"

"کیا فرق پڑتا ہے؟ پوری دنیا تو یہی سمجھتی ہے اور وہ جج۔۔۔ وہ اتنی آسانی سے کیسے مانا۔۔۔ مجھے حیرت ہے۔" کہتے ہوئے مڑ کر غور سے سعدی کا چہرہ دیکھا۔

"اگر تمہارا اس میں کوئی ہاتھ ہے سعدی! تو کہہ دو' میں سن رہا ہوں۔"

"میرا ہاتھ کیسے ہوسکتا ہے؟ میری بات جج نے اور مانے گا بھی کیوں؟" اس نے لاپروائی سے پھر شانے اچکائے اور ڈرائیو کرتا رہا۔

فارس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "یو نو واٹ سعدی۔۔۔ تم نے میری بات کی تردید نہیں کی۔" اور کھڑکی کے باہر بھاگتے درختوں کو دیکھنے لگا۔ سعدی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس خاموش رہا۔

☆ ☆ ☆

ع دل کو لہو کریں کہ گریباں رفو کریں

اس بلند و بالا عمارت کے ٹاپ فلور کا وہ کشادہ اور پرتعیش انداز میں آراستہ آفس مکمل روشن تھا۔ پاور سیٹ پہ جواہرات ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور نرم سی مسکراہٹ کے ساتھ سامنے کرسی پہ بیٹھے ہاشم کو دیکھ رہی تھی جو سر جھکائے موبائل پہ کچھ ٹائپ کررہا تھا۔ پیچھے نوشیرواں مضطرب' جھنجلایا ہوا سا ٹہل رہا تھا۔ کسی پنڈولم کی طرح۔ دائیں سے بائیں اور واپس دائیں۔

"مجھے وضاحت چاہیے ہاشم!" جواہرات نے مسکراتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔ "تم اتنے بے خبر کیسے ہوسکتے ہو کہ اس کے رہا ہونے سے پہلے تمہیں معلوم بھی نہ ہوسکے۔"

"میں اراضی کے مقدمات میں مصروف تھا اور یہ سب اچانک ہوا ہے۔" ہاشم نے فون رکھ کر کندھے ذرا جھٹک کر کہا۔ "جسٹس سکندر کے تاثرات میں نے دیکھے تھے۔ وہ ذہن بنا کر آیا تھا۔ یقیناً" اسے اس کام کے لیے پہلے سے راضی کرلیا گیا تھا۔"

"ان لوگوں کی اتنی حیثیت نہیں کہ اس بااثر جج کو خرید سکیں۔"

"ججز صرف خریدے نہیں جاتے' ان کو مجبور کرنے کے اور بھی بہت سے طریقے ہوتے ہیں۔"

نوشیرواں گھوم کر ہاشم کے سامنے آیا۔ "اور اگر کسی نے اس جج کو بلیک میل کیا ہے بھائی! تو وہ اس سعدی کے علاوہ کوئی نہیں ہوسکتا۔"

"پلیز شیرو۔۔۔ کیا ہم سعدی سے سے ہٹ کر کوئی بات کرسکتے ہیں؟" مسکراتی ہوئی جواہرات کی آنکھوں میں سخت تنبیہہ ابھری۔

"اس نے وہاں دس لوگوں کے سامنے میری بے عزتی کی اور آپ چاہتی ہیں کہ میں اسے بھول جاؤں؟" حسب عادت نوشیرواں بھڑک اٹھا۔

"تمہیں وہاں نہیں جانا چاہیے تھا۔" مگر وہ ہاشم کی بات نہیں سن رہا تھا۔

"وہ مجھے جتا رہا تھا کہ وہ میرے چالان کے متعلق جانتا ہے جو انگلینڈ میں ہوا تھا۔ وہ خود کو سمجھتا کیا ہے؟ ممی میں آپ کو بتا رہا ہوں' آپ اسے پارٹی میں انوائیٹ نہیں کررہیں۔ میں اس کو اپنے گھر میں برداشت نہیں کروں گا۔"

"میں کارڈ دے چکا ہوں۔۔۔ سوری۔۔۔!" ہاشم نے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

"شیرو۔۔۔! سعدی مسئلہ نہیں ہے۔ وہ پارٹی میں آئے گا تو میں اسے دیکھ لوں گی۔ اپنے بیٹے کی بے عزتی کا بدلہ کیسے لینا ہے۔ مجھے معلوم ہے۔" کہتے ہوئے آگے ہو کر نرمی سے اس نے شیرو کا ہاتھ دبایا۔ وہ ذرا ڈھیلا پڑا۔

"مسئلہ فارس ہے۔ میں اسے اپنے اردگرد برداشت نہیں کرسکتی۔ مجھے بتاؤ ہاشم! تم اس معاملے کو حل کرنے کے لیے کیا کررہے ہو؟"

ہاشم اب کاغذ پہ کچھ لکھ رہا تھا۔ یقیناً" وہ بھی ڈسٹرب تھا۔ مگر کمپوزڈ نظر آرہا تھا۔

"میں نے اسے ایک دفعہ اندر کروایا تھا۔ دوسری دفعہ بھی کرواسکتا ہوں۔"

"وہ ایک دفعہ باہر آسکتا ہے تو دوسری دفعہ بھی آجائے گا۔ سو بہتر ہے کہ تم اس کے ساتھ اچھا کھیلو۔ وہ نہیں جانتا کہ قتل کس نے کیے تھے اور اس کے نزدیک ہم اس کی واحد فیملی ہیں۔" جواہرات مطمئن نہیں تھی۔

"وہ ہمیں کبھی بھی پسند نہیں کرتا تھا۔" نوشیرواں اکتا کر کہتا کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہوا۔

"اس لیے بہتر ہے کہ وہ ہم سے دشمنی نہ رکھے۔ کیونکہ باہر آنے کے بعد وہ سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کرے گا کہ وہ سب کس نے کروایا تھا۔"

"ہاشم سنبھال لے گا۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں؟" ہاشم بہت اعتماد اور اطمینان سے پیچھے ہو کر بیٹھتے بولا۔ "میں نے تب بھی جو کچھ کیا' اپنی فیملی کے لیے کیا' اب بھی اپنی فیملی کو پروٹیکٹ کرنے کے لیے مجھے جو بھی کرنا پڑا میں کروں گا۔ اپنی فیملی کے لیے کچھ بھی کرنا جرم نہیں ہوتا۔ اگر میں وارث غازی کو راستے سے نہ ہٹاتا تو وہ ہمارے خلاف کیسز کھول کر ہمیں تباہ کرسکتا تھا اور وہ زرتاشہ۔ میں اس کو نہ مرواتا تو اس قتل کو بھی آنر کلنگ کی شکل نہ دے سکتا۔ مجھے اس کے لیے افسوس ہے' مگر میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں تھا۔ پھر جب قتل ہوتا ہے تو کسی کو تو جیل جانا پڑتا ہے۔ مجھے فارس سے ہمدردی ہے۔ اس کے چار سال ضائع ہوئے' مگر وہ ایک انٹیلی جنس آفیسر تھا۔ اگر وہ اندر نہ جاتا تو قاتل کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتا۔ اپنے خاندان کو محفوظ رکھنے کے لیے میں نے اسے بزی رکھا تو کیا غلط کیا؟ حکومت نے پانچ سال سے کسی کو سزائے موت نہیں دی۔ اس ملک میں سزائے موت کا قانون شاید جلد ختم ہوجائے' وہ زندہ سلامت ہے' اس کا تو کچھ نہیں گیا۔ اپنوں کو تو سب کھوتے ہیں۔ ہم نے بھی ڈیڈ کو کھویا تھا۔ بے شک نیچرل ڈیتھ سے ہی

سہی۔ مگر ہماری زندگیوں میں بھی دکھ ہیں' پریشانیاں ہیں' مجھے افسوس ہے۔ ان سب کے لیے۔ مگر زمر کو میرا شکر گزار ہونا چاہیے کہ میں نے اسے گواہی کے لیے زندہ چھوڑ دیا۔ وہ ٹھیک ہے۔ زندگی گزار رہی ہے۔ پرفیکٹ تو نہیں ہو سکتی نا اب زندگی۔"

ہاشم نے بات کرتے ہوئے ذرا سے شانے اچکائے۔

"بہت سے لوگوں کی زندگی اگر دو' چار کی قربانی سے بچ جاتی ہے تو اس میں کوئی برائی نہیں۔ میں فارس کو سنبھال لوں گا۔ اسے آنے دیں۔۔۔ ممی۔۔۔ وہ کچھ نہیں کر سکتا۔۔۔ اوکے۔"

پھر سیدھا ہو کر بیٹھتے ہوئے بولا۔ "اب ہم تمہارے پروجیکٹ کے بارے میں بات کر لیتے ہیں شیرو۔"

اور نوشیرواں نے جیسے کڑوی گولی نگل لی۔ وہ بے دلی سے کرسی کھینچ کر بیٹھا۔

"اور میرے پروجیکٹ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے والے بھی کون ہیں بھائی؟ سعدی اور اس کی باس۔"

ہاشم بے اختیار ہنس دیا۔ "یار یہ تمہارا اور سعدی کا کسی لڑکی پہ جھگڑا تو نہیں ہے؟"

جواہرات نے مسکرا کر سر جھٹکا اور بغور شیرو کے تاثرات دیکھے جو مزید خفا لگنے لگا تھا۔

"شیری۔۔۔ سونیا کو کب گھر لائے گی؟" جواہرات نے اسی کو دیکھتے ہاشم کو مخاطب کیا۔ شیرو ایک دم کوئی فائل اٹھا کر دیکھنے لگا۔ البتہ اس کی گردن میں ابھر کر ڈوبتی گلٹی واضح محسوس ہوئی تھی۔

"اس وقت اس کا کیا ذکر؟" ہاشم نے گویا ناک سے مکھی اڑائی اور کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

؎ جو رنجشیں تھیں جو دل میں غبار تھا نہ گیا۔

اس درمیانے درجے کے بنگلے کے لاؤنج کی بڑی سی کھڑکی دھوپ میں چمک رہی تھی۔ شیشہ آئینہ بنا لان کا عکس دکھا رہا تھا۔ کھڑکی سے چہرہ لگا کر دیکھو تو اندر وہ تھکی تھکی سی چیزیں اٹھائے داخل ہوتی دکھائی دے رہی تھی۔ درمیان سے مانگ نکال کر گھنگھریالے بال کیچر میں ہاف باندھے' وہ جھولتی لٹ کان کے پیچھے اڑستی' کچن کے دروازے تک گئی۔

"صداقت! کھانا تیار ہے؟"

"جی باجی۔۔۔ بس روٹی ڈال رہا ہوں۔"

"پھر کھانے کے بعد۔۔۔ سعدی کی طرف جانا' ایک کام ہے۔"

لاؤنج میں وہیل چیئر پہ کتاب پڑھتے بڑے ابا نے بے اختیار اس طرف دیکھا۔ وہ اب واپس آرہی تھی۔

"دن کیسا گزرا تمہارا؟" انہوں نے معمول کا سوال کیا۔

"بس روز مرہ کے کام تھے۔" وہ صوفے پہ بیٹھ کر جوتوں کا اسٹریپ کھولتے ہوئے بولی۔

"سماعت کیسی رہی؟"

"ہاشم کاردار کا کلائنٹ تھا' کیسی ہو سکتی تھی۔" ابا کے کتاب پہ جھکے چہرے پہ ناگواری ابھری۔

"ہر کرپٹ اور گناہ گار آدمی اسی کا کلائنٹ کیوں ہوتا ہے؟"

"وہ ایک اچھا ڈیفنس لائر ہے ابا۔ اسے گناہوں کی جسٹی فیکشن دینا آتی ہے۔" وہ کیچر اتار کر بال جوڑے میں باندھنے لگی۔

"مجھے وہ سخت ناپسند ہے۔ انتہائی جھوٹا اور مکار آدمی ہے۔"

"سو تو ہے۔" زمر نے تائید کی۔

بڑے ابا نے کتاب پرے کر کے اس کا چہرہ دیکھا۔

"سعدی سے کیا کام ہے؟"

"ہاشم نے اپنی بیٹی کی سالگرہ کا کارڈ دیا تھا سعدی کے لیے۔ وہی دینا ہے۔" وہ سرسری سا بتا کر ریموٹ اٹھا کر چینل بدلنے لگی۔

"تو تم دے آؤ۔" انہوں نے ایک دم اتنی امید اور منت سے کہا کہ زمر نے بے اختیار ان کو دیکھا۔

"میں نہ بھی جاؤں تو فرق نہیں پڑتا۔ میں اس سے ناراض نہیں ہوں ابا!"

"تو پھر چلی جاؤ۔ اس کی سالگرہ پہ ہی وش کر دینا۔"

زمر نے ان کی آنکھوں کو دیکھا۔ وہ اداس نظر آرہی تھیں۔ اس کے دل کو کچھ ہوا۔

"وہ چھوٹا ہے۔ تم تو بڑی ہو۔ اگر اس سے کوئی غلطی ہوئی ہے تو تم معاف کر دو۔ وہ تمہاری بیماری میں تمہارے ساتھ نہیں تھا۔ واقعی یہ اس کی خطا تھی۔"

"میں کب کا معاف کر چکی۔ میں اس کے خلاف برا نہیں سوچ سکتی۔ وہ میرا بیٹا ہے ابا۔"

"تو کارڈ تم خود دے آؤ۔ زندگی کا کچھ پتا نہیں ہوتا۔ کون کب چلا جائے اور دوسرے کو تازندگی پچھتاوا ہی رہے۔"

وہ بنا کچھ کہے اٹھ گئی۔ ابا دکھ سے اسے جاتا دیکھتے رہے۔ انہوں نے پھر کتاب نہیں اٹھائی۔ وہ کمرے میں جاتے ہوئے صداقت کو آواز دیتی گئی۔ "میری روٹی مت بنانا۔" اور وہ مزید دکھی ہو گئے۔ اب اس کا موڈ بگڑ چکا تھا اور وہ کھانا کھائے بغیر کمرے میں بند ہو جائے گی۔

دس' پندرہ منٹ بعد وہ کپڑے بدل کر' فریش ہو کر کمرے سے نکلی تو انہوں نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کھانا نہیں کھانا؟"

"کیا آپ کا پوتا مجھے کھانا بھی نہیں پوچھے گا؟" عام سے انداز میں سنجیدگی سے کہہ کر اس نے میز سے کارڈز اٹھائے اور پرس کندھے پہ ڈالا۔

ابا جہاں تھے' وہیں رہ گئے۔ آنکھوں میں تحیر' بے یقینی ابھر کر معدوم ہوئی اور اس کی جگہ خوش گوار تذبذب نے لے لی۔ جیسے کوئی خواب میں آنکھ کھلنے کے ڈر سے صحیح سے خوش بھی نہ ہو پائے۔ ایک دم ان کا چہرہ بجھا۔

"کیا تمہیں پتا چل چکا ہے کہ فارس رہا ہو گیا ہے؟"

وہ جیسے ٹھنڈی سانس لے کر دروازے سے پلٹی۔

"اگر آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ میں سعدی سے یہ پوچھنے جا رہی ہوں کہ فارس کیسے رہا ہوا تو ایسا نہیں ہے۔ میں اتنی اسٹریٹ فارورڈ ہوں کہ اگر مجھے اس سے کچھ بھی پوچھنا ہو تو میں چار منٹ کی کال کر کے بغیر تمہید کے بھی پوچھ سکتی ہوں۔ ابھی مجھ سے ہاشم نے ایک فیور مانگا ہے اور میں اسے وہی دینے جا رہی ہوں۔" اسی سنجیدگی سے کہہ کر وہ باہر نکل گئی۔

ابا کے چہرے پہ خوش گوار حیرت ابھر آئی۔ صداقت بھی بھاگ کر چوکھٹ میں آکھڑا ہوا تھا اور اب ان ہی حیران' مگر مسرت آمیز تاثرات کے ساتھ ان کو دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

؎ یہی ہے جبر یہی ہے اختیار کا موسم

حنین اور اسامہ تب سے فارس کے گرد بیٹھے تھے جب سے وہ آیا تھا۔ سعدی خاموشی سے گول میز پہ ان کے مقابل بیٹھا تھا۔

"ماموں۔۔۔ کیا وہ دوبارہ تو آپ کو۔۔۔ نہیں لے جائیں گے؟" حنین نے جھجکتے ہوئے انجانے خوف کے زیر اثر سوال کیا۔ فرنچ چوٹی اور ماتھے پہ کٹے ہوئے بالوں کے ساتھ وہ اب گھر کے لباس میں تھی۔

فارس ہلکا سا مسکرایا۔ "نہیں۔" ساتھ ہی سعدی کو دیکھا' سعدی نرمی سے مسکرا دیا اور پھر دوسری جانب دیکھنے لگا۔

"اب آپ ہمارے ساتھ رہیں گے نا؟" سیم نے اشتیاق سے پوچھا۔

"میرے لیے اچھا ہو گا اگر میں اپنا گھر کھولوں۔"

"کیوں جاتے ہو ادھر؟ یہیں رہو نا۔" ندرت نے ناراضی سے کہتے میز پہ مٹر قیمہ کا ڈونگا رکھا' کھانا بس لگ چکا تھا۔

"مجھے بہت سے کام کرنے ہیں آپا! مگر آتا جاتا رہوں گا۔" وہ سنجیدگی بھرے سپاٹ انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ عموماً" دھیما بولتا تھا' چھوٹے چھوٹے فقرے' لیکن غصہ چڑھنے پہ آواز بلند ہو جاتی تھی۔

ندرت نے تازہ چپاتی لا کر رکھی ہی تھی کہ فارس ہاتھ دھونے کے لیے اٹھ گیا۔ ویسے بھی وہ لباس تبدیل کر چکا تھا۔ جینز کے اوپر بٹنوں والی شرٹ' بال اسی طرح

پونی میں مقید سعدی نے پیچھے سے آواز لگائی۔

”ماموں! آپ کو ہیئر کٹ کی اشد ضرورت ہے۔“

”نہیں۔ ماموں اس ہیئر اسٹائل میں زیادہ اچھے لگ رہے ہیں۔“ حنین نے فوراً“ مخالفت کی۔ ساتھ ہی وہ پلیٹ سے کھیرے ٹونگ رہی تھی۔ اسامہ نے اس کے ہاتھ کو پرے کیا۔ اس نے غصے سے اسامہ کو دیکھا۔ ”کیا ہے؟“

”ابھی کھانا شروع نہیں ہوا' تم کیوں کھا رہی ہو؟“

”تمہارے حصے کا تو نہیں کھا رہی۔ زیادہ ٹوکا مت کرو ورنہ تمہاری دم باندھ دوں گی۔“

”میری کوئی دم نہیں ہے۔“ وہ غصے سے کہتا کھڑا ہوا۔

”بس!“ سعدی نے ایک دم سنجیدگی سے کہا' بس ایک لفظ اور وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

”کتنی دفعہ کہا ہے' مت لڑا کرو آپس میں' مگر مجال ہے جو۔“ ندرت کی بات گھنٹی کی آواز نے کاٹ دی۔ فارس اسی وقت واپس آتا دکھائی دیا تھا۔ اسامہ بھاگ کر دروازے پہ گیا اور اس کے ساتھ کھڑکی کا پردہ سرکا کر دیکھا۔

”کون ہے اسامہ؟“ سعدی نے بیٹھے بیٹھے پوچھا' مگر اسامہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس وہیں کھڑا رہا۔

”اسامہ' کون ہے؟“ ندرت نے سوال دہرایا۔ فارس بھی اس طرف دیکھنے لگا۔ اسامہ آہستہ سے ان کی طرف پلٹا۔

”پھول لائی ہیں۔“

”کون؟“

”پھپھو۔ زمر پھپھو آئی ہیں اور پھول لائی ہیں۔“

چند لمحے کے لیے راہداری میں سناٹا چھا گیا۔ جیسے سانس آنا بھی بند ہو گیا ہو۔ ندرت پلیٹیں لگاتی رک گئیں۔ حنین کا کھیرا اٹھاتا ہاتھ رکا' چہرہ بالکل سپاٹ ہو گیا۔ البتہ سعدی تیزی سے دروازے کی طرف گیا۔ فارس نے باری باری سب کو دیکھا۔

”سعدی!“ اس نے بے اختیار اسے روکا۔ ”میں کمرے میں ہوں۔“ ساتھ ہی نگاہوں سے اشارہ کیا' جیسے نہ ملنا چاہتا ہے' نہ اس کی آمد کی خبر کی جائے۔ سعدی نے سمجھ کر سر ہلایا۔

حنین پیچھے ہو کر بیٹھ گئی۔ بھنویں کھنچ گئیں' چہرے پہ خفگی چھا گئی۔

دروازہ کھلنے پہ باہر کھڑی زمر نے سر اٹھایا۔ گھنگھریالے بال ہاف باندھے' وہ زرد چہرے کے ساتھ کھڑی تھی۔ بازوؤں میں سوسن کے پھولوں کا بوکے تھا۔ بدقت مسکرائی۔ اسی پل ناک کی لونگ چمکی۔ آنکھیں بھی چمکیں۔

”سالگرہ مبارک ہو' سعدی!“ پھول اس کی طرف بڑھائے۔ سعدی ابھی تک سکتے میں تھا' پھر اس کے ہونٹ مسکراہٹ میں ڈھلتے گئے۔ آنکھوں میں بے پناہ حیرت اتر آئی۔

”تھینک۔ تھینک یو پھپھو۔ آئیں نا اندر!“ کسی معصوم بچے کی طرح خوش ہوتا سعدی ہٹا اور اسے راستہ دیا۔ زمر کی مسکراہٹ معدوم ہوئی' نرم تاثرات والے چہرے کے ساتھ متذبذب سی اندر داخل ہوئی۔ جس گھر میں چار سال تک قدم نہ رکھا تھا' وہاں چار قدم بھی مشکل سے پڑ رہے تھے۔

”زمر۔۔۔ کیسی ہو؟“ ندرت فرط مسرت سے نہال اس سے آکر ملیں۔ پھر ڈائننگ چیئر پیش کی۔ زمر نے ایک لمحے کو گول میز کو دیکھا' جہاں کھانا چنا تھا۔ گن کر پلیٹیں رکھی تھیں۔ ایک فیملی کھانا کھانے ہی والی تھی۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

سعدی نے اصرار کیا ”تھوڑا سا لے لیں“ مگر وہ وہاں نہیں بیٹھی۔

”میں کھانا کھا چکی ہوں۔“ شائستگی' تکلف' تذبذب' حنین کی آنکھوں میں ناراضی گہری ہوئی۔ بہرحال اس نے اٹھ کر ڈرائنگ روم کم لاؤنج کا دروازہ کھولا۔

”کیسی ہو' حنین؟“

حنین جیسے اس سوال پہ ڈسٹرب ہوئی تھی مگر پھر سپاٹ چہرے کے ساتھ ”ٹھیک“ کہہ کر اندر صوفے کی طرف ہاتھ کیا۔ ”بیٹھیں۔“

زمر اسی تکلف سے صوفے کے کنارے ٹانگ پہ ٹانگ رکھے بیٹھ گئی تو اسامہ آکر ملا۔ وہ جیسے اب ذرا کھل کر مسکرائی' اس کا گال چوما' پھر پیشانی سے گھنگھریالے بال نرمی سے ہٹا کر بولی' ”کیسے ہو اسامہ؟“ چوکھٹ میں کھڑے سعدی کی مسکراتی آنکھوں میں تکلیف سی ابھری۔ ایک پرانا منظر ان میں جھلملایا۔

اسکول یونیفارم میں گھنگھریالے بالوں والا لڑکا بنچ کے پاس کھڑا تھا' اور گھٹنوں کے بل اس کے سامنے یونیفارم میں ایک لڑکی بیٹھی تھی' اور اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”کس نے مارا ہے؟ مجھے بتاؤ' میں ابھی اس کو دیکھتی ہوں۔ اس کی ہمت کیسے ہوئی کہ وہ ہمارے سعدی کو مارے؟ ادھر دیکھو' روؤ مت' میں ہوں نا تمہارے ساتھ' تمہاری سپورٹ اور پروٹیکشن کے لیے۔“ وہ فکرمندی اور غصے سے کہہ رہی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں۔ آپ؟“ اسامہ کی شرماتی آواز پہ وہ چونکا' پھر سامنے آکر بیٹھ گیا اور پھولوں کو میز پہ رکھ کر بولا۔

”آپ کو یاد تھا' مجھے سوسن پسند ہیں۔“

زمر نے سر کو خم دیا' بولی کچھ نہیں۔ ندرت کھانے پہ اصرار کرنے لگیں' پھر چائے پہ' وہ بس ایک کپ چائے کے لیے راضی ہوئی۔ حنین سعدی کے ساتھ جا کر بیٹھ گئی' شکوہ آمیز نظروں سے پھپھو کو دیکھتی' مگر خاموش۔

”مجھے یہ کارڈ دینا تھا۔ ہاشم نے دیا ہے۔ تمہارے لیے۔“ کہتے ہوئے اس نے کارڈ سعدی کی طرف بڑھایا۔ سعدی تو چونکا ہی' حنین زیادہ چونکی۔ اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔

”ہاشم کی بیٹی کی سالگرہ ہے“ اس نے بہت اصرار کیا تھا تو میں نے تمہاری طرف سے ہامی بھر لی۔ مجھے امید تھی کہ تم لوگ آؤ گے۔“

حنین سعدی کے کندھے پہ سے جھک کر کارڈ دیکھنے لگی۔ سعدی کے تاثرات وہ نہیں رہے تھے۔ اس نے بالکل خاموشی سے سیاہ پہ سنہری عبارتیں پڑھیں' پھر کارڈ حنین کی طرف بڑھا دیا۔

”ہاشم بھائی مجھے اپنی پارٹی میں کیوں دیکھنا چاہیں گے پھپھو؟“

”تم اس کے رشتے دار ہو۔“

سعدی پھیکا سا مسکرایا۔ ”ہاشم بھائی کے ذہن میں ہر کام کی کوئی خاص وجہ ضرور ہوتی ہے۔ بہرحال' آپ ان سے معذرت کر لیجیے گا۔ ہم نہیں آسکیں گے۔“

کارڈ پڑھتی حنین نے بے اختیار سعدی کو دیکھا۔ اس کا چہرہ ایک دم بجھا تھا۔

”گھر کی بات ہے سعدی! پہلے بھی تو جاتے رہے ہو ان کے گھر تو۔۔۔“

”گھر میں ہے فنکشن؟“ سعدی نے چونکنا سا ہو کر بات کاٹی اور تیزی سے کارڈ لے کر جیسے تصدیق کی۔ آنکھوں میں کچھ چمکا تھا۔ پھر وہ سنبھل گیا۔

”اوکے۔۔۔ ہم۔۔۔ آئیں گے۔“ وہ نارمل انداز میں مسکرایا۔

حنین ساری ناراضی بھول کر دوبارہ کارڈ دیکھنے لگی۔ اسامہ بھی آکر اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

”بلیک اور گولڈ تھیم ہے۔ مطلب ہم صرف سیاہ یا سنہری لباس پہن سکتے ہیں۔“ وہ اسامہ کو بتانے لگی۔ پھر ایک دم اس نے سعدی کے ہاتھ کو دیکھا جس میں اس نے کی چین پکڑی ہوئی تھی۔ زمر بھی وہی دیکھنے لگی۔ اور سعدی نے بھی گردن جھکا کر اسے ہی دیکھا۔

دو تین چابیوں کے ساتھ رنگ میں ایک تین انچ کا سیاہ' مصنوعی ڈائمنڈ سا پرو یا تھا۔ وہ دو انچ موٹا تھا اور اوپر سے گول' نیچے سے تکون تھا۔ کسی ہیرے کی طرح وہ روشنی منعکس کرتا تھا۔ اس پہ سنہری حروف میں لکھا تھا۔

Ants Everafter

(ہمیشہ کے لیے چیونٹیاں!)

زمر کے لبوں پہ اداس مسکراہٹ ابھری۔

”تم ابھی تک چیونٹیوں پہ یقین رکھتے ہو؟“

”میں انہی چیزوں کے لیے جیتا ہوں جن پہ یقین

رکھتا ہوں۔" اسی اداس مسکراہٹ کے ساتھ کہتے سعدی نے سیاہ ہیرے کو دیکھا۔

چائے آئی اور ساتھ کباب' کیک اور دو ایک چیزیں مگر ندرت کے اصرار کے باوجود زمر نے صرف پیالی اٹھائی اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

"یہ۔۔۔ کاروار کرتے کیا ہیں؟ ان کا بزنس کس چیز کا ہے؟" کارڈ میں محو حنین نے پوچھا۔ اس کی نظریں نیچے لکھے ہاشم کے نام اور ساتھ درج موبائل نمبر پہ جمی تھیں۔

ایک دم سے بجلی چلی گئی' اور ہر روشنی کے بجھ جانے کی خاموش آواز سنائی دی' پھر یو پی ایس پہ بتی جلی اور پنکھا گڑگڑ کرتا گھومنے لگا۔ سعدی ہلکا سا مسکرایا اور سر جھٹکا۔

"وہ ایک آئل کارٹیل کے سربراہ ہیں۔"

"کارٹیل کیا ہوتا ہے؟" حنین نے بے اختیار پوچھا' پھر جیسے اپنی کم علمی پہ پھپھو کے سامنے شرمندہ ہوئی۔

"ایسے سمجھو جیسے مارکیٹ میں برگر کی تین دکانیں ہوں۔" زمر نے نرمی سے کہنا شروع کیا "دو دکانیں پچاس کا برگر بیچیں اور ایک چالیس کا' تو زیادہ کس کے بکیں گے؟"

"چالیس والے کے۔" حنین کے لبوں سے پھسلا۔ وہ ساری ناراضی بھول گئی تھی۔

"بالکل۔ مگر کم قیمت کے باعث چالیس والا بھی منافع زیادہ نہیں کما سکے گا' اور باقی دونوں ویسے ہی نقصان میں رہیں گے سو یہ تینوں یوں کریں گے کہ مل کر ایک گروپ یعنی ایک Cartel کارٹیل بنا لیں گے' اور یہ طے کرلیں گے کہ تینوں دکانیں ایک ہی قیمت پہ برگر بیچیں گی یوں تینوں کو کاروبار ملے گا۔"

"اور تینوں جب چاہے قیمت اکٹھی بڑھا دیں' لوگوں کے پاس کوئی دوسرا آپشن نہیں ہوگا تو وہ مہنگا خریدنے پہ بھی مجبور ہوں گے۔" سعدی نے مسکراتے ہوئے اضافہ کیا۔ "اور ہاشم بھائی یہی کرتے ہیں۔ وہ ملک کی تمام آئل کمپنیز کے کارٹیل کو لیڈ کرتے ہیں' اور یہ تیل سے بجلی بنا کر حکومت کو بیچتے ہیں' اور ان کا جب دل کرتا ہے' یہ بجلی کی قیمت بڑھا دیتے ہیں' اور پھر یہ ہوتا ہے!"

اس نے ابرو سے پنکھے کی طرف اشارہ کیا جو یو پی ایس پہ چل رہا تھا۔ زمر نے گہری سانس اندر کو کھینچی۔

"میرا نہیں خیال کہ انرجی کرائسز کی وجہ آئل کمپنیز ہیں۔"

"یہ تھر کول پراجیکٹ کے سائنس دانوں اور آئل کمپنیز کے مغرور اور امیر انگیز یکٹیو کی جنگ نہیں ہے' پھپھو! یہ کوئلے اور تیل کی جنگ ہے۔ مجھے یقین ہے' ہاشم پارٹی میں سنہری رنگ پہنے گا۔ ایک بجی کی سالگرہ کو بلیک اور گولڈ کا تھیم رکھوانے والے لوگ صرف دنیا کو اپنے مضبوط اعصاب دکھانا چاہتے ہیں۔ سیاہ اور سنہرا یعنی کوئلہ اور تیل۔"

وہ نرمی سے ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔

"اینی ویز' اب میں چلتی ہوں۔" اس نے جیسے کسی بات میں دلچسپی نہیں لی' بس اٹھنے کی تیاری کرنے لگی۔ حنین نے کارڈ چھوڑ دیا' چہرہ پھر سے بجھ گیا۔ سعدی چپ ہوگیا۔ اسے لگا جیسے اس کی صاف گوئی نے اسے ناراض کردیا تھا۔

"کچھ دیر تو بیٹھو!" ندرت اصرار کرنے لگیں مگر اس کا کہنا تھا کہ اگلے ہفتے تفصیل سے پارٹی پہ ساتھ بیٹھیں گے۔ سعدی اسے دروازے تک چھوڑنے گیا۔ واپس آیا تو حنین اکیلی لاؤنج میں بیٹھی تھی۔

"چار سال بعد آئیں اور چالیس منٹ بھی نہیں بیٹھ سکیں!" وہ بڑبڑائی۔

"ایسے نہیں سوچتے حنین!" وہ جیسے ہرٹ ہوا تھا۔

"مگر میں تو ایسے ہی سوچتی ہوں بھائی! آپ کا دل بہت بڑا ہے' آپ بھول سکتے ہیں' مگر مجھے یاد ہے۔ پھپھو نے ہمیں تب چھوڑا' جب ہمیں ان کی ضرورت تھی۔ ہمارے ماموں بے گناہ تھے' مگر پھپھو نے ان کو گناہ گار مانا' اور اس لیے آپ بھی زیر عتاب آئے۔ مگر یہ لڑائی تو آپ کی' ماموں اور پھپھو کی تھی'

میں نے تو کچھ نہیں کیا تھا۔ میرا کیا قصور تھا؟ مجھے کیوں چھوڑا؟" بولتے بولتے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ سعدی کا دل بے حد دکھا۔

"انہوں نے بہت کچھ لوز کیا ہے اس سب میں۔ ان کی صحت' ان کی شادی۔ ان کی زندگی' سب ختم ہوگیا۔"

"تو کیا میں نے کچھ لوز نہیں کیا؟ میں نے پھپھو کو لوز کیا ہے' بھائی۔ ان چار سالوں میں کتنے ایسے دن آئے جب مجھے ان کی ضرورت تھی پھپھو نہ ماں ہوتی ہے نہ بہن' وہ ان دونوں سے ہٹ کر ہوتی ہے' میری تو کوئی بہن بھی نہیں تھی' میرا بھی دل چاہتا تھا۔ میں ان سے بہت کچھ شیئر کروں' وہ میری بات سنیں' مگر وہ اب ہماری پرواہ نہیں کرتیں۔ انہوں نے ہمیں تب چھوڑا جب ہمیں ان کی ضرورت تھی' یو نو واٹ بھائی' اب ہم بڑے ہوچکے ہیں' اب ہمیں ان کی ضرورت نہیں رہی۔ میں وہ حنین نہیں ہوں جو ان کے جانے کے بعد دیر تک کھڑکی سے ان کی راہ تکتی تھی کہ شاید وہ کچھ بھول گئی ہوں۔ تو واپس آئیں' میں بھی اب ان کی پرواہ نہیں کرتی۔"

اس نے رخ موڑ لیا۔ سعدی نے کچھ کہنا چاہا' پھر خاموشی سے باہر نکل گیا۔ ابھی بیچ راہداری میں تھا کہ کسی احساس کے تحت واپس آیا اور دھیرے سے لاؤنج کے اندر جھانکا۔

حنین کھڑکی کا پردہ سرکائے باہر دیکھ رہی تھی' دور سڑک پہ جیسے کسی کو تلاش کر رہی تھی۔ کسی کے بھول کے واپس آنے کا انتظار کر رہی ہو۔

سعدی کی آنکھوں میں اداسی اور لبوں پہ مسکراہٹ در آئی' وہ خاموشی سے وہاں سے ہٹ گیا۔ راہداری میں واپس چلتے ہوئے اس نے ہاتھ میں پکڑے سیاہ اور سنہرے کارڈ کو دیکھا۔

ایک منظر اس کی آنکھوں کے سامنے جھلملایا۔

ہوٹل کی لابی زرد روشنیوں میں چمک رہی تھی۔ چار' پانچ سوٹ میں ملبوس افراد خوشگوار انداز میں ایک دوسرے سے مل رہے تھے۔ ان میں ایک ہاشم کاردار بھی تھا جو کسی سے مسکرا کر کچھ کہہ رہا تھا۔ ہاشم کے پیچھے اس کی سیکریٹری کھڑی تھی' جس نے ایک ہاتھ میں ہاشم کا لیپ ٹاپ اٹھا رکھا تھا' اور وہ ہاتھ پہلو میں گرا ہوا تھا۔ وہ بھی سامنے' مسکراتے ہوئے میٹنگ کے لیے آئے افراد کو دیکھ رہی تھی۔

دور سے جینز شرٹ' اور پی کیپ میں ملبوس سعدی چلتا ہوا آیا۔ اس کا سر جھکا تھا' وہ اسی طرح سیکریٹری کے پاس سے گزر کر آگے بڑھ گیا۔ سیکریٹری وہیں متوجہ رہی۔ اس نے نہیں دیکھا کہ لڑکے کے گزرنے کے بعد لیپ ٹاپ کے سائیڈ کے ساکٹ میں ایک فلیش ڈرائیو لگ چکی تھی۔

سعدی ایک قریبی میز پہ جا بیٹھا' کندھے سے بیگ اتارا' اندر سے ٹیبلٹ نکالا اور اس پہ مختلف جگہیں انگلی سے پریس کرنے لگا۔ اسکرین پہ پیغام آرہا تھا۔

"آپ کی ڈیوائس کو ایک ہارڈ ڈرائیو ملی ہے' کیا آپ سارا ڈیٹا کاپی کرنا چاہیں گے؟"

سعدی نے مسکراتے ہوئے "یس" دبایا۔ اگلے ہی لمحے اس کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔ اسکرین پہ پیغام جل بجھ رہا تھا۔

"پاس ورڈ داخل کریں۔"

"اوہ نہیں یار۔۔۔" اس نے بے بسی سے مڑ کر دیکھا جہاں وہ لوگ ابھی تک کھڑے باتوں میں مصروف تھے۔ اسے کیوں خیال نہیں آیا کہ ہاشم کے لیپ ٹاپ پہ پاس ورڈ ہوسکتا ہے۔

وہ جلدی سے سب سمیٹ کر اٹھا اور سر جھکائے ان کے قریب سے گزرا اور سیکریٹری سے ٹکرا گیا اور خفیف سا سوری کہتا آگے بڑھ گیا۔ ہاشم نے چونک کر اسے دیکھا' اور پھر دور تک سوچتی نگاہوں سے اس کا تعاقب کیا۔

"چلی گئیں؟" فارس کی آواز پر سعدی چونکا۔ اس کے سامنے فارس کھڑا تھا۔

"ہوں!" اس نے کارڈ بڑھایا' جیسے پھپھو کے آنے کا مقصد بیان کیا ہو۔ فارس نے سرسری سا دیکھا اور پھر گول میز تک آگیا۔ حنین' اسامہ سب واپس آگئے۔

ذراسی ہلچل کے بعد زندگی جیسے پھر نارمل روٹین پہ آگئی تھی۔

☆ ☆ ☆

؎ اب نہ فرصت ہے نہ احساس ہے غم سے اپنے

آسمان پہ سیاہی پھیل رہی تھی۔ وہ اسٹڈی ٹیبل پہ فائلز پھیلائے بیٹھی تھی۔ ہلکی سی آہٹ نے اسے سر اٹھانے پہ مجبور کیا۔ ابا وہیل چیئر گھسیٹتے اندر آرہے تھے۔ وہ بے اختیار کھڑی ہوگئی۔

"آپ کے بلانے پہ نہ آتی جو آپ خود آگئے؟" رسان سے شکوہ کرکے وہ وہیل چیئر پیچھے سے تھامے سامنے لائی' اور پھر خود مقابل صوفے پہ پاؤں اوپر کرکے بیٹھ گئی۔ بڑے ابا منتظر نگاہوں سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"کیا اس نے کھانا نہیں پوچھا جو شام میں تم نے واپس آکر کھایا؟"

"میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں کھا کر آؤں گی۔ کھانا میٹر نہیں کرتا۔" گھنگھریالی لٹ انگلی پہ لپیٹتے اس نے جواب دیا۔

"کیا وہ خوش تھا؟"

"آپ کو دن میں دو دفعہ تو فون کرتا ہی ہے' پوچھ لیجئے گا۔"

پھر دونوں کے بیچ کھڑکی کے باہر پھیلی رات جیسی خاموشی چھاگئی۔ ابا فکرمندی و تاسف سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"پھر بات آپ نے شروع کرنی ہے یا میں نے؟ اور اگر آپ نے تو کتنے فقروں کی تمہید باندھیں گے؟" اس نے اطمینان سے پوچھا۔

"زمر۔۔۔ شادی کرلو۔" وہ آزردہ سے بولے۔

"آج آپ نے تمہید ہی نہیں باندھی۔" اس نے کشن اٹھا کر گود میں رکھا۔

"کب تک اس ٹوٹے رشتے کا سوگ مناؤ گی' میری بچی! میری موت آسان کردو' اب بس کردو۔"

"آپ جانتے ہیں میں جذباتی بلیک میلنگ میں نہیں آیا کرتی۔ جب مجھے کرنا ہوگی' میں بتادوں گی۔ ویسے بھی اب میں بوڑھی ہورہی ہوں۔ کون کرے گا مجھ سے شادی؟"

"دو چار سال میں واقعی بوڑھی لگنے لگو گی۔ میں اس تکلیف کے ساتھ نہیں مرنا چاہتا۔"

"او کے ابا' صاف بات کرتے ہیں۔" اس نے کشن پرے رکھا' پیر نیچے کیے' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی' بال کانوں کے پیچھے اڑسے اور گہری سانس لی۔ وہ واپس ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹر کے روپ میں چلی گئی تھی۔

"آپ میری شادی کسی بھی ایکس وائی زیڈ سے کرادیں' میں کرلوں گی' پھر چند دن میں مزید بددل ہوجاؤں گی' زیادہ بے زار اور تلخ۔ وہ مجھ سے توقعات باندھے گا جو میں پوری نہیں کروں گی' میں ایسی ہی رہوں گی' وہ شروع میں برداشت کرے گا' کہے گا ماضی بھلادو' میں کہوں گی شادی جب کی تب اس فیز سے نہیں نکلی تھی' ابھی وقت لگے گا۔ وہ صبر کرلے گا' مگر پھر جلد ہی صبر کھودے گا' غصہ کرے گا' ہاتھ اٹھائے گا' نفرت کرے گا' تین ماہ میں گھر سے نکال دے گا' اور میں یہیں آکر بیٹھی ہوں گی۔ اب بتائیں' آپ کے لیے کیا زیادہ تکلیف دہ ہوگا؟"

ابا نے دکھ سے اسے دیکھا۔ "کیا تم اپنی شادی کو کامیاب بنانے کی کوئی کوشش نہیں کروگی؟"

"اس فیز سے نکلی ہی نہیں تو کیسے کروں گی؟"

"کب نکلوگی اس فیز سے؟"

"آپ مجھے جانتے ہیں' جب میرے اوپر کچھ طاری ہوجائے تو میرے لیے اس کو جھٹکنا ناممکن ہوتا ہے۔ میں اسی کو اپنی زندگی بنالیتی ہوں۔ اور جب آخری دفعہ ہم نے یہی بحث کی تھی تو دو دن تک ایک دوسرے سے بات نہیں کی تھی۔ اس دفعہ کتنے دن کا ارادہ ہے؟"

ابا نے آہستہ سے اثبات میں سرہلایا۔ "مگر تم کوشش تو کروگی نا اس فیز سے نکلنے کی؟"

"میں چار سال سے کوشش کررہی ہوں' میں بہت ٹراما سے گزری ہوں' میرے گردے ضائع ہوگئے' تیار

شادی کینسل ہوگئی' وہ حماد مجھے چھوڑ کر چلا گیا بیماری کے عالم میں' وہ وقت بہت برا تھا ابا! میں آگے بڑھ نہیں سکتی جب تک اس وقت کو بھلا نہ دوں۔ مجھے کچھ ٹائم دیں۔"

وہ سر ہلاتے ہوئے واپس پلٹ گئے۔ زمرد کھ سے ان کو جاتے دیکھتی رہی مگر وہ خود بھی بے بس تھی۔

☼ ☼ ☼

رات کا سیاہ پردہ سارے گناہ' سارے عیب ڈھانپ چکا تھا۔ ایسے میں کاردارز کے اونچے گھر کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ جواہرات باریک ہیل سے تیز تیز چلتی ڈائننگ ہال میں آئی تو قطار میں کھڑے ملازم جیسے اسی کے منتظر تھے۔

فینوتا نے آنکھ سے ایک سر جھکائے کھڑی فلپائنی ملازمہ کی طرف اشارہ کیا۔ جواہرات مسکراتی ہوئی اس کے قریب گئی تو اس فلپائنی میری اینجیو نے سر اٹھایا' پھر ندامت سے جھکا لیا۔

"کیا تم اس جوہری سے میرا نیکلس لے آئی ہو جس کو تم نے وہ بیچا تھا؟" سرد سی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے پوچھا۔

میری نے سرخ متورم آنکھیں اٹھائیں۔ "یس میم!" اور ڈبہ آگے کیا' پھر کھولا۔

جواہرات نے دو انگلیوں پہ وہ نیکلس اٹھا کر دیکھا۔ ہیروں کا نازک نیکلس ویسا ہی تھا۔

"اور تمہاری چوری کا علم ہونے پر میں نے تم سے کیا کہا تھا؟" وہ انگلیوں میں مسل کر نیکلس کو دیکھ رہی تھی۔

"یہی میم۔۔۔ کہ اگر میں نیکلس واپس لا دوں تو آپ میری ایجنسی کو نہیں بتائیں گی اور میں باعزت طریقے سے اپنے ملک واپس جاسکوں گی۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔

جواہرات نے شیرنی جیسی تیکھی آنکھیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "تو پھر خوش ہوجاؤ۔ کیونکہ میں تمہاری ایجنسی کو پہلے ہی سب کچھ بتا چکی ہوں۔ کل تمہیں یہاں سے ڈی پورٹ کردیا جائے گا اور تم دوبارہ زندگی بھر یہ نوکری نہیں کرسکو گی۔ کیونکہ میرے نزدیک اس کی اہمیت یہ تھی۔"

کہتے ہوئے جواہرات نے نیکلس اچھال دیا۔ وہ اڑ کر ایک مصنوعی پودے کے گملے میں جاگرا۔

"وفاداری سے بڑھ کر کسی چیز کی اہمیت نہیں ہوتی۔ میری! اب تم جاسکتی ہو۔"

اس نے تمکنت سے فینوتا کو اشارہ کیا۔ جو شاکڈ اور صدمے سے چور میری کو وہاں سے لے جانے لگی۔

کسی ملازم میں ہمت نہیں تھی کہ گملے میں گرے نیکلس کو دیکھ بھی لیتا جواہرات اسی طرح چلتی ہوئی ہال کراس کرکے لاؤنج میں آئی اور چہرے پہ معصوم معذرت خواہانہ مسکراہٹ سجائے فارس کو مخاطب کیا جو ایک پینٹنگ کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ابھی ابھی آیا تھا۔

"تمہیں دیکھ کر بہت اچھا لگا فارس۔۔۔ تم ٹھیک تو ہو؟" وہ اس کی طرف پلٹا تو جواہرات نے اس کے کندھوں کو تھام کر کسی بچے کی طرح اسے اپنے سامنے کیا۔

"اوہ۔۔۔ تم کتنے کمزور ہوگئے ہو۔ اپنی رنگت تو دیکھو۔"

وہ جو بے نیازی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ذرا سا سر جھٹکا۔ "ٹھیک ہوں۔ میرے پورشن کی چابی۔۔۔"

"آف کورس۔ وہ میرے پاس ہے۔ میں اس کی صفائی کرواتی رہی ہوں' مگر تم دیکھ رہے ہو' پارٹی قریب ہے اور سارا اسٹاف مصروف ہے۔ مجھے جیسے ہی تمہاری آمد کا پتا چلا' میں نے گیسٹ روم سیٹ کروادیا۔"

"آنٹی۔۔۔ میں اپنے گھر میں جانا چاہتا ہوں۔" اس نے جیسے بے زاری کو ظاہر نہ کرتے ہوئے کہا۔

جواہرات مسکرا کر اس کو بازو سے تھامے آگے بڑھنے لگی۔ وہ خاموشی سے ساتھ چلتا آیا۔

"کیا تم مجھے صرف ایک ہفتے کے لیے اپنی مہمان

نوازی کا حق بھی نہیں دو گے؟ تم جانتے ہو تمہاری رہائی کے لیے میں نے اور ہاشم نے بہت کوشش کی مگر میری جان! ہم کیا کرتے۔ یہ عدالتی نظام بہت خراب ہے۔ آئی ہوپ تم ہم سے خفا نہیں ہوگے۔"

"نہیں۔۔۔ ایسی بات نہیں ہے۔" وہ راہ داری میں آکر رکا' جواہرات نے مسکراتے ہوئے فینوتا کو اشارہ کیا۔ اس نے فوراً" دروازہ کھولا۔ اندر سجا' سجایا کمرہ تیار تھا۔

"پارٹی کے بعد تمہارا پورشن تیار کروادوں گی۔ اب تم آرام کرو' ہوں۔" مسکرا کر کہتی وہ وہیں کھڑی رہی۔ فارس خاموشی سے اندر چلا گیا۔ وہ شاید خود بھی اپنے گھر سے بچنا چاہتا تھا۔ دروازہ بند کردیا۔ جواہرات کی مسکراہٹ سمٹی' آنکھوں میں اضطراب ابھرا اور کڑھن' وہ پلٹی تو بیرونی دروازے سے ہاشم آرہا تھا۔ پیچھے ایک سوٹ میں ملبوس ملازم بریف کیس اٹھائے ہوئے تھا۔

جواہرات تازگی سے مسکرا کر تیزی سے اس تک آئی۔ ہاشم نے دروازہ بند ہونے سے قبل فارس کو دیکھ لیا تھا۔ تب ہی تاثرات برہم ہوئے۔ ماں کے قریب آکر دبی دبی سی آواز میں غرایا۔

"یہ یہاں کیا کررہا ہے؟"

"مجھے اسے پارٹی میں دیکھنا ہے اور تب تک اسے یہاں روک کر رکھنے کا اس سے بہتر کوئی طریقہ نہیں ہے۔" پھر مسکرا کر ہاشم کا شانہ تھپکا "اور مجھے اس کے یہاں ہونے سے کوئی ڈر نہیں۔ کیونکہ میں جانتی ہوں ہاشم سنبھال لے گا۔" مگر ہاشم کو تسلی نہیں ہوئی وہ مسکرا بھی نہ سکا۔

"بابا۔۔۔" سیڑھیاں بھاگ کر اترتی' فراک میں ملبوس چھوٹی سی بچی ادھر آرہی تھی۔ کوٹ کے بٹن کھولتا ہاشم بے اختیار مڑا' آنکھوں میں بے پناہ پیار اٹھ آیا۔ وہ جھکا اور دوڑتی ہوئی بچی کو اٹھا لیا۔

"بابا کی جان۔۔۔ کب آئی ہو؟" باری باری اس کے گال چومتا وہ پوچھ رہا تھا۔ جواہرات نے مسکرا کر دونوں کو دیکھا اور آگے بڑھ گئی۔

ع تلخئ کام و دہن کب سے عذاب جان ہے

☼ ☼ ☼

رات ذرا گہری ہوئی تو اس چھوٹی سی مارکیٹ کی دکانیں بند ہونے لگیں۔ اب فقط چند بتیاں روشن تھیں۔ دور ایک درخت کی اوٹ میں چھوٹی سی گاڑی کھڑی تھی۔ ڈیش بورڈ پہ ایک خاکی پھولا ہوا لفافہ رکھا تھا۔ ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھے سعدی نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور پھر پیچھے دیکھا۔ اردگرد کوئی نہیں تھا۔

تب ہی اس کا موبائل بجا۔ اس نے اسے سامنے کیا تو نیلی روشنی چہرے پہ پڑنے لگی۔ "بلاکڈ نمبر کالنگ" لکھا آرہا تھا۔

سعدی نے اٹھا کر احتیاط سے ہیلو کہا۔ پھر دوسری جانب سے آواز سن کر جیسے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"جی باس۔۔۔ کیسی رہی کانفرنس؟"

"تم نے ایک بہت اچھی چیز مس کی ہے۔ اس سے زیادہ اہم کچھ نہیں ہونا چاہیے تھا تمہارے لیے۔" فون میں سے ہلکی سی نسوانی آواز سنائی دے رہی تھی۔ سعدی کا چہرہ تاریکی میں نیم واضح تھا۔ اس نے زخمی سا مسکراتے پھر پیچھے دیکھا۔

"کچھ بہت اہم تھا یہاں۔ خیر۔۔۔ کانفرنس کا سنائیں۔"

"تم جانتے ہو' آدھا وقت تو ان کو یہ واضح کرنے میں گزر جاتا ہے کہ ٹھیک ہے۔ ہمارا کوئلہ اینتھرا سائٹ نہیں ہے۔ مگر ہم کہہ بھی نہیں رہے کہ وہ اینتھرا سائٹ ہے۔ میں مان رہی ہوں کہ وہ لگنائیٹ ہے اور ہمارے علاقے میں صدیوں سے دبے fossils اس سے بہتر کوئلے میں تبدیل نہیں ہوسکتے ویسے بھی۔۔۔ اور اگر۔۔۔" وہ روانی سے بولتے ہوئے رکی۔ "پتا ہے سعدی! آج مجھ سے کسی نے وارث کے کیس کے بارے میں پوچھا۔ اس کا کیا بنا؟ فارس کو سزا ہوگئی؟ میں نے تو اتنے عرصے سے تم سے پوچھا ہی نہیں۔"

"آپ اتنی بہادر نہیں ہیں کہ اس کیس کو فالو کریں۔ سو مجھ پہ چھوڑ دیں۔"

"مگر..."

"جو بھی بنا ہو گا کیس کا، میں خود دیکھ لوں گا خالہ! میں نے آپ سے ایک وعدہ کیا تھا کہ ماموں کو مارنے کے بعد ان کے لیپ ٹاپ اور فائلز کو جس نے بھی چرایا تھا، میں وہ آپ کو واپس لا دوں گا۔ بس میں اس بندے کے لیپ ٹاپ تک پہنچ جاؤں ایک دفعہ، پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ ماموں کو کیوں قتل کیا گیا۔"

"کون؟ کس کی بات کر رہے ہو؟"

"ایک الزام نے فارس غازی کی زندگی کے چار سال لے لیے۔ میں بنا ثبوت کسی پہ الزام نہیں لگانا چاہتا۔ ثبوت کے بعد بتاؤں گا۔"

"اتنے سال ہو گئے سعدی! کیوں پڑے ہو اس کیس کے پیچھے؟ ختم کرو۔ اللہ کے حوالے کر کے چھوڑ دو۔"

"اونہوں... کیسے چھوڑ دوں؟ میرے خاندان کے دو لوگ مارے گئے، میری پھپھو کی زندگی برباد ہو گئی۔ میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو قتل کو معاف کر دیتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے، قصاص میں تمہارے لیے زندگی ہے اور میرے خاندان کے باقی لوگوں کی زندگی قصاص میں ہی ہے۔ میں تو برابر کا بدلہ لوں گا۔ جس نے یہ کیا ہے۔ وہ جان سے جائے گا۔ بس...! اچھا مجھے جانا ہے، بائے۔"

ایک دم سے اس نے فون بند کیا۔ فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر ایک فربہی مائل، ادھیڑ عمر شخص اندر بیٹھ رہا تھا۔ سعدی خاموشی اور سنجیدگی سے سامنے دیکھنے لگا۔ اس شخص نے تلخی سے سعدی کو دیکھا۔

"میں نے اسے بری کر دیا ہے، اب وہ دو، جو تم نے دینا تھا۔"

سعدی نے خاموشی نے ڈیش بورڈ سے خاکی لفافہ اٹھا کر انہیں تھمایا۔ جسٹس سکندر نے اندر جھانکا، چہرے پہ مزید کڑواہٹ پھیلی، کان کی لوئیں سرخ پڑیں۔ "میرے بارے میں اگر یہ گند... باہر نکالا تو..." غم و غصے سے آواز کانپنے لگی۔ سعدی نے گردن موڑ کر ان کو دیکھا۔

"اگر آپ مجھے جانتے ہوتے تو اندازہ لگا لیتے کہ میں ایک شخص کی زندگی بچانے کے لیے آپ کے خاندان کے پانچ افراد کی زندگی برباد نہیں کروں گا۔ میں اس حد تک بھی نہ جاتا اگر آپ میری بات سن لیتے۔ میں آیا تھا آپ کے پاس جسٹس صاحب۔ میں نے آپ کی منت کی تھی کہ فارس غازی بے قصور ہے، مگر آپ نے میری نہیں سنی تھی، ہاشم کا پیسہ ہر جگہ بول رہا تھا۔ میرے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہ تھا۔ سوری...!" کندھے اچکا کر بے نیازی سے سوری کہا۔

"بکواس مت کرو، مجھے بتاؤ، تمہارے پاس اس کی کوئی کاپی ہے یا نہیں؟"

"ہو سکتا ہے میرے پاس کاپی ہو، کیونکہ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ فارس غازی کو دوبارہ اس کیس میں پھنسایا جائے۔ آپ اپنے اینڈ پہ خیال رکھیے گا۔ میں اپنے اینڈ پہ رکھوں گا۔ اب آپ جا سکتے ہیں۔"

وہ تو جیسے رکنا ہی نہیں چاہتے تھے۔ سر پہ ٹوپی اور گردن کا مفلر درست کیا۔ تاکہ شناخت نہ ہو پائے اور باہر نکل گئے۔ سعدی نے ہلکے سے کندھے اچکائے اور کار اسٹارٹ کر دی۔

☆ ☆ ☆
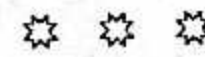
ع نشتر چھبے ہوئے تھے رگ جاں کے آس پاس

صبح جب سورج کی روشنی بادلوں کے کناروں کو سرخ اور جامنی رنگ میں دہکا رہی تھی تو شہر کے کاروباری علاقے میں اس اونچی عمارت میں وہ داخل ہو رہا تھا۔ اس نے سیاہ پینٹ پہ بٹنوں والی شرٹ پہن رکھی تھی۔ بال بہت چھوٹے کٹوا لیے تھے۔ فوجیوں کی طرح گویا استرا پھیرنے کے دو چار دن بعد کے انچ بھر بال ہوں۔ دو ہفتے قبل رہا ہونے والے فارس سے وہ بہتر لگ رہا تھا۔

دھات کا ڈیٹیکٹر داخلے کے سامنے کھڑا تھا۔ لوگ اس میں سے گزر کر اندر جا رہے تھے، وہ سائیڈ سے نکل کر چلا گیا تو گارڈز چونکے۔ کسی نے اسے آواز دی۔ فارس سنے بغیر ریسپشن پہ لمحے بھر کو رکا۔

"ہاشم کاردار کا آفس؟" ابرو اٹھا کر اکھڑے انداز میں پوچھا۔

"پانچویں فلور پہ... مگر آپ..." ریسپشنٹ کا فقرہ ادھورا رہ گیا۔ وہ آگے بڑھ چکا تھا۔ گارڈز بے اختیار پیچھے آئے۔ لفٹ میں داخل ہو کر اس نے ان کے آنے سے پہلے بٹن دبا کر دروازہ بند کر دیا تھا۔ گارڈ گھبرا کر وائرلیس پہ اطلاع دینے لگا۔

پانچویں فلور پہ جب لفٹ کا دروازہ کھلا تو وائرلیس پکڑے ایک گارڈ اسے اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ فارس نظر انداز کر کے راہ داری میں آگے بڑھ گیا۔ اسے غالباً "آفس یاد تھا۔ فلور ذہن سے نکل گیا تھا۔

"ہاشم اندر ہے؟" سیکریٹری سے بس سرسری سا پوچھا۔ وہ "جی" کہتی حیران سی اٹھی۔ گارڈ دوڑتا ہوا آ رہا تھا۔ اسے روکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔ "سر... مسٹر کاردار مصروف ہیں، آپ اندر نہیں جا سکتے۔" وہ دروازے کی طرف آیا تو گارڈ سامنے آ گیا۔

"سر... آپ یوں اندر نہیں جا سکتے، آپ نے نیچے سیکورٹی کو..."

"میرے منہ نہ لگو!" تیوری چڑھائے فارس نے ہاتھ سے اس کے کندھے کو پیچھے دھکیلا اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ گارڈ حواس باختہ سا پیچھے بھاگا۔

اندر ہاشم اپنی سیٹ پہ ٹیک لگا کر بیٹھا، سامنے موجود دو افراد سے کچھ کہہ رہا تھا۔ اس اچانک افتاد پہ سر اٹھا کر دیکھا۔ فارس سے گارڈ تک نظروں نے سفر کیا۔

"ان کو بھیجو، مجھے بات کرنی ہے۔"

فارس نے تیسری کرسی کھینچی اور ٹانگ پہ ٹانگ رکھ کر بیٹھا۔ ہاشم کے لب بھینچ گئے۔ آنکھوں میں ابھرتی ناگواری کو اس نے ضبط کر لیا۔

"سر! میں ان کو منع کر رہا تھا مگر یہ..."

"ہاں۔ ٹھیک ہے، میں نے ہی بلایا ہے!" تازہ دم ہو کر مسکراتے ہاشم نے ان کو جانے کا اشارہ کیا۔

وہ نکلے تو ہاشم پیچھے ہو کر بیٹھا اور خاموشی سے فارس کو دیکھا۔

"کیوں بلایا ہے؟" اس نے ابرو اٹھا کر اکھڑے اکھڑے انداز سے پوچھا۔

ہاشم اٹھا اور دیوار تک گیا۔ وسط دیوار میں ایک پینٹنگ لگی تھی۔ ہاشم نے پینٹنگ کو سلائیڈنگ ڈور کی طرح دائیں طرف سلائیڈ کیا۔ اندر دیوار میں نصب سیف تھا۔ اس نے کچھ نمبرز ڈائل کر کے سیف کھولا۔ اس کی پشت اب فارس کے سامنے تھی اور وہ پاس ورڈ یا اندر سے سیف نہیں دیکھ سکتا تھا۔

ہاشم سیف بند کر کے پلٹا اور میز پہ کچھ ڈاکومنٹس اور ایک پلاسٹک بیگ رکھا۔ شفاف بیگ کے اندر زیورات دکھائی دے رہے تھے۔

"تمہاری امانت... تمہارے گرفتار ہونے کے بعد پولیس بار بار گھر آتی رہی تھی۔ اس لیے ممی نے پہلے ہی تمہاری تمام قیمتی اشیا وہاں سے نکال لی تھیں۔ چیک کر لو۔" واپس بیٹھتے ہوئے اس نے دوستانہ مگر محتاط انداز میں کہا۔ فارس نے بس ایک نظر اس سب کو دیکھا اور پھر ابرو تان کر ہاشم کو۔

"ٹھیک... اور کچھ؟"

"تمہاری رہائی کے لیے میں نے بہت کوشش کی تھی۔ جسٹس سکندر کو بہت فیورز دیے ہیں اور اب جبکہ میں اس سے مایوس ہو چکا تھا، اس نے تمہیں رہا کر ہی دیا۔ بہرحال... تم اب باہر ہو، نئی زندگی شروع کرنے..."

"تمہید کاٹو اور مطلب کی بات پہ آؤ۔" فارس نے اس کی بات بے زاری سے کاٹی۔ ہاشم نے گہری سانس باہر کو خارج کی اور ذرا سے شانے اچکائے۔

"تمہیں جاب چاہیے ہو گی اور میرے پاس تمہارے لیے ایک اچھی پوسٹ ہے۔"

"نہیں چاہیے... اور کچھ؟" وہ کھڑا ہوا اور اپنی چیزیں اکٹھی کیں۔ ہاشم نے سر اٹھا کر تاسف سے اسے دیکھا۔

"ہم کزنز ہیں یار... تمہاری پرابلم میری بھی پرابلم ہے۔"

"مگر میری بیوی تمہاری بیوی نہیں تھی۔" فارس

کی آواز بلند ہوئی' آنکھوں میں غصہ اترا' کان کی لوئیں سرخ پڑیں۔ "تمہیں لگتا ہے میں بھول گیا ہوں کس طرح تم اس کو میرے خلاف اکسایا کرتے تھے۔"

"او خدا۔" ہاشم نے جھکے ہوئے۔ انداز میں سر جھٹکا۔ "تم اپنی اس غلط فہمی کو دور کیوں نہیں کرلیتے ایک دفعہ۔ وہ میری بہن کی طرح تھی' اس بات پہ تم مجھ سے کوئی مقدس صحیفہ اٹھوانا چاہتے ہو تو اٹھوالو' میں ایک۔ اور ایمان دار آدمی ہوں۔"

فارس شک و شبہ سے آنکھیں سکیڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"تمہارے اس رویے کے باوجود میں نے تم پہ شک نہیں کیا۔ ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا کہ تم نے وہ قتل کیے ہوں گے۔ مجھے تمہاری بے گناہی پہ یقین تھا۔ مگر تمہیں مجھ پہ یقین نہیں ہے۔" وہ ہرٹ نظر آرہا تھا۔

فارس کے تاثرات دھیمے پڑے۔ مگر وہ اسی طرح اسے دیکھتا رہا۔ ہاشم اب اٹھا۔ دونوں کے درمیان میز حائل تھی۔

"اور مجھے تمہاری فکر ہے۔ کیا کرنا چاہو گے اب؟"

"جس کے خاندان کے دو فرد مار دیے گئے ہوں' اسے کیا کرنا چاہیے؟ سوائے ہر ذمہ دار شخص کا گریبان پکڑنے کے؟"

کمرے میں جیسے کاربن مونو آکسائیڈ بھر گئی تھی۔ ہاشم کا دم گھٹنے لگا۔ اس نے بے اختیار ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کی۔

"میں تمہارے ساتھ ہوں۔ مجھ سے اچھا وکیل تمہیں نہیں ملے گا۔ جو اس کیس کو دوبارہ سے زندہ کرکے اصل قاتلوں کو سامنے لائے۔ اس لیے جاب نہیں کرنی یہاں' مت کرو' مگر جب اور جیسے تمہیں کچھ معلوم ہو' تم سب سے پہلے مجھے آکر بتاؤ گے۔ گڈ لک!"

ہاشم نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ فارس اکھڑا اکھڑا سا دیکھتا رہا' پھر متذبذب سا ہاتھ ملالیا۔ ہاشم مسکرا دیا۔

فارس باہر نکلا تو جواہرات چوکھٹ پہ دکھائی دی۔ اس کے چہرے پر اضطراب تھا۔ تیزی سے ہاشم تک آتے اس نے پوچھا۔

"یہ کیوں آیا تھا؟" ساتھ ہی دروازہ بند کیا۔ "جب بھی اس کو آزاد دیکھتی ہوں تو مجھے تمہارے ہاتھوں میں ہتھکڑی نظر آتی ہے۔" ہاشم نے اس کی فکر و پریشانی کو صاف نظر انداز کیا۔

"میں نے بلایا تھا۔ جاب آفر کی' مگر نہیں مانا۔"

"جاب؟ تاکہ وہ مصروف رہ کر کسی بھی انتقامی کارروائی سے باز رہے؟"

ہاشم نے اثبات میں سر ہلایا۔ جواہرات نے ٹھنڈی سانس اندر اتاری۔

"اسے تم پہ شک تو نہیں ہے نا؟" اس کے خدشے بڑھتے جارہے تھے۔

"اگر ہوتا تو اس طرح آرام سے نہ چلا جاتا۔ وہ ہاتھوں سے بات کرنے کا عادی ہے اور اداکار تو بالکل نہیں ہے۔" اس کا فون پھر بجا تو اس نے جھنجلا کر کال ریسیو کی۔

"جی۔۔۔ جی۔۔۔ میں آپ کے آفس پہنچ گیا ہوں۔ بس لفٹ میں ہوں' آرہا ہوں۔" کال کاٹی۔ پھر بریف کیس میں ضروری چیزیں ڈالنے لگا۔

"کام سے جارہا ہوں' شام کو ملتے ہیں۔"

"ہوں۔۔۔!" جواہرات بدقت مسکرائی۔

☼ ☼ ☼

وہ اس نفاست اور خوب صورتی سے آراستہ بنگلے کا اسٹڈی روم تھا جہاں وہ لیپ ٹاپ کے سامنے بیٹھی کام کررہی تھی۔ بال جوڑے میں بندھے تھے اور سبز آنکھیں سکیڑے' لبوں سے بال پین کا کنارہ دبائے وہ اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ پھر سر جھکا کر فائل پہ کچھ لکھنے لگی۔ دفعتاً" اس نے کھڑکی پہ نگاہ دوڑائی تو رک گئی۔ وہ جڑواں بچیاں اپنے ہم عمر دو' تین بچوں کے ہمراہ باہر جاتی دکھائی دے رہی تھیں۔

سارہ پین چھوڑ کر بے اختیار باہر لپکی۔ لاؤنج میں زرینہ بیگم بیٹھی' سلائیوں پہ کچھ بن رہی تھیں۔ گاہے بگاہے چلتے ٹی وی پہ بھی نظر ڈال لیتیں۔ "سارہ یہ ترک ڈرامے دیکھ دیکھ کر ہم کچھ بے حیا نہیں ہوتے جارہے؟" انہوں نے تائید چاہی۔ مگر وہ سن ہی نہیں رہی تھی۔

"امی۔۔۔ آپ نے بچیوں کو پھر پارک بھیج دیا۔ میں نے منع کیا تھا نا۔" بھنویں سکیڑے وہ بے بسی سے کہتی ان کے سر پہ کھڑی تھی۔ زرینہ بیگم نے خفگی سے عینک کے اوپر سے اسے دیکھا۔

"بس کرو بی بی۔۔۔ تم تو ایسے پریشان ہو رہی ہو جیسے اکیلا بھیج دیا ہو۔ آس پاس کے بچے بھی تھے اور کرنل خورشید کی ملازمہ بھی۔ ابھی گھنٹے بھر میں آجائیں گی۔"

"آپ بھی نا کمال کرتی ہیں۔" وہ ناراضی سے کہتی ان کے ساتھ بیٹھی' مگر نشست کے بالکل کنارے پہ۔۔۔ "پتا ہے نا امی! حالات کتنے خراب ہیں' پھر بھی ان کو باہر بھیج دیتی ہیں۔"

"اچھا تمہاری بیٹیاں ہیں تو میری نواسیاں بھی ہیں' دشمن نہیں ہوں میں ان کی۔ گھر میں قید کرکے رکھوں تو بزدل اور ڈری سہمی سی بن جائیں گی' بالکل تمہاری طرح۔" انہوں نے اسے ذرا خاطر میں نہ لاتے ہوئے اپنی سلائی جاری رکھی۔

"میں نہیں ہوں بزدل' وہ سعدی بھی ہر وقت یہی کہتا رہتا ہے۔" وہ خفا بھی تھی اور پریشان بھی۔ "وارث کی موت بھول گئی آپ کو؟ کیسے ان کو مار دیا گیا تھا۔ جب کسی خاندان میں کوئی قتل ہوجائے تو خاندان والے پہلے جیسے نہیں رہتے' رہ ہی نہیں سکتے۔"

"سچ۔۔۔ تم نے بتایا ہی نہیں فارس کے رہا ہونے کا۔ مجھے عزیز بھائی کی بیوی نے بتایا۔" وہ سلائی روک کر پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئیں۔ اس کی ساری باتیں نظرانداز کردیں۔ سارہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں۔

"فارس۔۔۔ وہ تو رہا نہیں ہوا۔۔۔ وہ۔۔۔ کیا

مطلب؟"

"تمہیں نہیں پتا؟" وہ الٹا حیران ہوئیں۔ "جب تم لندن میں تھیں' تب ہی تو رہا ہوا تھا وہ۔"

"سعدی کو بھی پتا نہیں ہوگا۔ پھر تو۔۔۔ ورنہ وہ ذکر تو کرتا۔" وہ حیران بیٹھی تھی۔

"لو۔۔۔ وہی تو اسے لینے گیا تھا۔ اسے کب کسی بات کا نہیں پتا ہوتا؟"

"مگر۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اچانک سے؟" وہ الجھ سی گئی۔ "اور سعدی نے بھی نہیں بتایا۔" پھر چونک کر ماں کو دیکھا۔ "اور کیا بتایا آنٹی نے؟"

"یہی کہ اپنے ماموں کے گھر رہ رہا ہے۔ جواہرات کے پاس' اپنا گھر نہیں کھولا اور ندرت کے پاس بھی نہیں رہ رہا۔ مگر اچھا ہی ہوا۔ مجھے تو کبھی بھی وہ قصوروار نہیں لگا تھا۔ شکر کہ بچے کی جان بچ گئی۔" انہوں نے پھر سے سلائیاں اٹھالیں۔

"ہوں۔۔۔ سعدی بھی یہی کہتا تھا۔ فارس ایسا کبھی نہیں کر سکتا۔ مگر ایک ہفتہ ہو گیا اور مجھے پتا ہی نہیں۔" وہ اچنبھے میں تھی' پھر بے اختیار گھڑی دیکھی اور فون کی طرف بڑھی۔

"کس کو کرنے لگی ہو؟"

"کرنل خورشید کی میڈ کا نمبر ہے میرے پاس۔ اس کو کہتی ہوں کہ انہیں جلدی گھر لائے۔ پورے پندرہ منٹ ہو گئے ہیں۔"

فکرمندی سے کہتی وہ کارڈلیس اٹھا کر نمبر ڈائل کرنے لگی۔ زرینہ بیگم ماتھا چھو کر بڑبڑائیں۔ سارہ کا کوئی علاج نہ تھا۔

☼ ☼ ☼

سینٹورس مال میں رنگوں اور روشنیوں کا سیلاب جگمگا رہا تھا۔ تیسرے فلور کے ایک بوتیک کی ساری بتیاں روشن تھیں۔ وسط میں مخملیں صوفے بچھے تھے۔ کپڑوں کے ریکس کونوں میں تھے۔ وہیں ایک قد آور آئینے کے سامنے شہرین کھڑی تنقیدی نگاہوں سے اپنا پہنا ہوا گولڈن گاؤن دیکھ رہی تھی۔ جس کی ایک آستین نہیں تھی اور دوسری کلائی تک آتی تھی۔ اس نے دائیں اور بائیں دونوں طرف سے ترچھی ہو کر عکس دیکھا۔ سنہرے باب کٹ بالوں کو دو انگلیوں سے پیچھے کیا اور بےزاری سے منہ بنایا۔

"فال اتنی اچھی نہیں ہے جتنی میں نے کی تھی۔" وہ سخت چڑچڑی لگ رہی تھی۔

قریب کھڑی لڑکی اسے جلدی جلدی وضاحت دینے لگی۔ جسے اس نے گویا سنا ہی نہیں۔ وہ خود کو ہر زاویے سے آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ اس کے عکس میں پیچھے صوفے پہ بیٹھی سونیا اور ساتھ مستعد کھڑی ملازمہ بھی دکھائی دے رہی تھیں۔ سونیا بور سی ہو کر بار بار پاؤں قالین سے رگڑ رہی تھی۔

عکس میں دکان کا دروازہ بھی نظر آ رہا تھا اور وہ جو بگڑے موڈ سے منیجر کو کچھ کہنے لگی تھی۔ دروازے کو دیکھ کر بالکل ساکت ہو گئی۔ پھر اس نے تھوک نگلا

چوکھٹ پر سعدی کھڑا تھا۔ جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے مسکراتے ہوئے وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

شہری نے مڑ کر صوفوں کی سمت دیکھا۔

"ثمینہ۔۔۔ سونیا کو لے کر اوپر فوڈ کورٹ جاؤ' میں کچھ دیر میں آتی ہوں۔"

پھر منیجر سے مخاطب ہو کر بولی۔ "میں آپ سے ذرا ٹھہر کر بات کرتی ہوں۔" وہ تو سر ہلا کر چلی گئی۔ البتہ ثمینہ نے بچی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پس و پیش کی تھی۔

"میم اوپر کس جگہ؟"

"ثمینہ!" اس نے تیز نظروں سے گھورا تو وہ فوراً سونیا کی انگلی تھامے باہر نکل گئی۔

شہرین پھر سے آئینے میں دیکھتے ہوئے گاؤن کا فال والا گلا انگلیوں سے ادھر ادھر کرنے لگی۔ وہ قدم قدم چلتا اس کے کندھے کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔

"تو آپ گولڈن پہن رہی ہیں۔ گڈ! میں بلیک پہن رہا ہوں۔"

"تم یہاں کیا کر رہے ہو؟" وہ مڑے بغیر آئینے میں اس کو دیکھتے ہوئے تیزی سے بولی۔ سعدی نے مصنوعی حیرت سے شانے اچکائے۔

"یہ ایک مال ہے اور یہاں لوگ شاپنگ کرنے آتے ہیں۔"

"مجھے گھر سے فالو کر رہے تھے یا فون سے ٹریس کیا ہے؟"

"کیا آپ یہ نہیں مان سکتیں کہ ہم اتفاق سے ملے ہیں؟"

"ایک لمحے کے لیے بھی نہیں۔"

سعدی نے جواباً" اثبات میں سر ہلایا۔

"اوکے۔۔۔ آپ کے فون سے ٹریس کیا ہے۔"

شہرین اس کی طرف پلٹی اور سنجیدگی سے اسے دیکھا۔

"ہمیں اس طرح ایک ساتھ نہیں نظر آنا چاہیے۔"

"اسی لیے آپ نے ان کو بھیج دیا؟"

"وہ ہاشم کو بتا دے گی۔" اس نے گویا جھڑک دیا۔

"اتنی ناقابل اعتبار ملازمہ؟" وہ حیران ہوا۔

"وہ نہیں۔۔۔ سونیا۔۔۔ میری بیٹی۔۔۔ وہ اپنے باپ کو ہر بات بتاتی ہے۔" تلخی سے کہہ کر وہ کان میں پہنے سیاہ نگوں والے آویزے اتارنے لگی۔

"آپ اتنا ڈرتی ہیں ہاشم بھائی سے؟"

"سعدی!" شہرین نے دبے دبے غصے سے اسے دیکھا۔ "میں اس سے نہیں ڈرتی' مگر وہ سونیا کو مجھ سے لے سکتا ہے' اگر میں اس کے خلاف گئی اور یو نو واٹ' تمہارے یہاں آنے کا مطلب ہے کہ تمہیں ہاشم کے خلاف میری مدد چاہیے اور میں ایسا کچھ بھی نہیں کرنے والی۔"

"جب آپ نے مجھ سے مدد مانگی تھی تو میں نے بھی کیا ایسے ہی منع کیا تھا؟" وہ اب بہت سنجیدہ تھا۔ شیری ایک ثانیہ کو خاموش رہ گئی۔

"وہ اور مسئلہ تھا۔" اس کی آواز دھیمی پڑی۔ سعدی جواب دیے بنا اس کو دیکھتا رہا۔ وہ بھی اسے دیکھتی رہی' پھر سر جھٹکا۔

"کیا چاہیے؟"

وہ ہلکا سا مسکرایا اور اندرونی جیب سے ٹیبلٹ نکال کر میز پہ رکھے شہرین کے پرس میں ڈال دیا۔ سب اتنی پھرتی سے کیا کہ وہ الجھی سی کھڑی رہ گئی۔

"میرا ٹیب آپ کل مجھے پارٹی میں واپس کر دیں گی۔ اتنا سا کام۔"

"مگر تم یہ خود بھی لے کر جا سکتے ہو پارٹی میں۔" وہ حیران ہوئی۔

"سیکیورٹی پروٹوکول سخت ہے۔ موبائلز وغیرہ کی اجازت نہیں ہے۔ مگر آپ تو فیملی ہیں نا۔"

"تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"آپ دوسرا کام کرنے کی ہامی بھریں۔۔۔ میں بتا دوں گا۔"

"اور کیا ہے وہ دوسرا کام؟" اس نے بہت ضبط سے سینے پہ بازو لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے ہاشم بھائی کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ چاہیے۔ ہر صورت میں۔"

"تم۔۔۔ اف۔۔۔" اس کا صبر جواب دینے لگا۔ "تم پارٹی میں نا ہی آؤ سعدی! تم ہم دونوں کو مشکل میں ڈالو گے۔"

"میں ایک ہفتے سے' جب سے ہاشم بھائی نے بالخصوص میرے لیے کارڈ بھجوایا تھا۔ اس پارٹی کی تیاری کر رہا ہوں اور میں آپ پہ اعتبار کر رہا ہوں۔ آپ کو ہاشم بھائی سے اپنے تمام دکھوں اور اذیتوں کا بدلہ لینا ہے نا؟ تو پھر آپ کو میرے ساتھ کھڑے ہونا ہوگا۔ چاہے آپ پسند کریں یا نہ کریں۔ آپ مجھے ہاشم بھائی کا پاس ورڈ لا کر دیں گی۔" اس نے سنجیدگی اور مضبوطی سے ایک ایک لفظ ادا کیا۔

شہرین کے تاثرات دھیمے پڑے۔ اس نے تذبذب' امید اور خدشات سے بھری آنکھوں سے سعدی کو دیکھا۔

"تم کیا کرنے جا رہے ہو؟"

وہ اداسی سے مسکرایا۔ ایک زخمی سی مسکراہٹ۔

"جو انہوں نے ہم سے چرایا تھا' میں وہ واپس چرانے جا رہا ہوں۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)